اشتیاق احمد
خونی پہاڑیاں
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز 49

اشتیاق احمد

اہتمام اشاعت

طاہر ایس ملک

پبلشر : ترتیب پبلشرز، لاہور۔
پرنٹر : عظیم علیم پرنٹرز، لاہور۔
قیمت : -/10 روپے۔

ترتیب پبلشرز

1- میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

دو باتیں

خونی پہاڑیاں آپ کے ہاتھوں میں ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ یہ جملہ پڑھتے ہی بوکھلا جائیں — اور اپنے ہاتھوں کو دیکھنے پر مجبور ہو جائیں — فکر مت کیجیے، آپ کے ہاتھ خون آلود نہیں ہوں گے اور نہ پہاڑیوں کے بوجھ تلے دبیں گے — یہ اور بات ہے کہ کتاب سے چپک کر رہ جائیں اور انہیں الگ کرنا مشکل ہو جائے — خیر، یہ اتنی بُری بات نہیں، بُری بات تو یہ ہے کہ آپ پیسے خرچ کر کے کتاب گھر لائیں، پڑھنا شروع کریں اور پھر بوریت آپ پر حملہ آور ہو جائے — جی ہاں، آج کل ایسی کتابیں بھی بازار میں عام ہیں — یہ کتابیں بھیڑ چال کا بہترین نمونہ اور ثبوت ہیں — آپ ایسی کتابوں سے ہوشیار رہیے — اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور ملک اور قوم کا بھی — اپنے ملک کو نقالوں، بے ایمانوں اور دھوکے بازوں سے پاک کرنے میں ہی ملک اور قوم کا فائدہ ہے —

اب آپ خونی پہاڑیاں شروع کیجیے کہ زیادہ انتظار آپ برداشت نہیں کر سکیں گے —

اشتیاق

ٹانڈے خان

وہ بنا اطلاع دیے بغیر خان رحمان کے گھر آ گئے تھے۔ اندر داخل ہونے سے پہلے انہوں نے ساتھ والی گلی میں داخل ہو کر باورچی خانے کی کھڑکی میں سے اندر جھانکا۔۔۔ کھڑکی مکمل طور پر بند نہیں تھی کیونکہ موسم گرما کے دن تھے۔۔۔ انہوں نے جونہی اندر دیکھا، ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔ ظہور کان پکڑے کھڑا تھا اور اس بری طرح تنا ہوا تھا؛ گویا اس کے پیچھے کوئی شخص ننگی تلوار لیے کھڑا ہو کہ ذرا بھی وہ نیچے ہوا نہیں اور تلوار اس کی کمر پر لگی نہیں۔۔۔ حالانکہ باورچی خانے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"ہیلو ظہور میاں، یہ کیا ہو رہا ہے۔" فرزانہ نے چہکتی آواز میں پوچھا۔

ظہور اسی حالت میں چونک اٹھا۔ گردن موڑتے ہوئے اور سر اوپر اٹھاتے ہوئے اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر خوش ہو کر چیخنے کے انداز میں بولا:

"ارے آپ لوگ ہیں، خدا کا شکر ہے، آپ تو میرے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہیں۔"

"لیکن یہ کان پکڑائے کس خوشی میں گئے ہیں؟" فاروق مسکرایا۔

"خوشی ہیں نہ کہیے؛ ورنہ خان صاحب کا غصہ اور بھی آسمان سے باتیں کرنے لگے گا۔" اس نے بدستور کان پکڑے ہوئے کہا۔

"گویا پہلے ہی آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔" محمود بولا۔

"جی ہاں!" اس نے جلدی سے کہا۔

"پھر تو ہم بہت غلط وقت پر آئے۔"

"ہرگز نہیں، میرے لیے تو اس سے اچھا موقع ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اچھا، یہ بتاؤ ہوا کیا ہے؟"

"بس جی ہونا کیا تھا— وہی روز کا رونا— آج دو ہانڈیاں پکانا تھیں— ایک ہی وقت میں دونوں چولہوں پر دونوں ہانڈیاں پک رہی تھیں کہ صاحب نے اپنے کمرے سے آواز دی: ظہور اِدھر آؤ— میں اُدھر گیا تو وہ بولے— ذرا میری یہ قمیص تو استری کر دینا— میں نے انہیں یاد دلایا کہ میں ان کے حکم سے اس وقت دو دو ہانڈیاں پکانے میں مصروف ہوں— اس پر وہ کہنے لگے— بھئی تو پھر کیا ہے۔ قمیص استری کرنے کے لیے کونسا ہاتھی گھوڑے جوتنے پڑتے ہیں۔ دو منٹ میں استری ہو جائے گی— اتنی دیر میں ہانڈیاں کہاں جلیں گی۔ میں نے

ان کے حکم کی تعمیل کی اور جب دو منٹ بعد باورچی خانے میں پہنچا تو ہانڈیاں جل چکی تھیں— دراصل یہ گیس کے چولہے ہیں نا— یہ کمبخت بہت تیز ہیں— پانی بہت جلد خشک کر دیتے ہیں۔"

"ہوں، تو یہ بات ہے— پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا ہوتا، میں صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا— مجھے اطمینان تھا، صاحب کچھ نہیں کر سکیں گے، کیونکہ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ جاکر انہیں بتایا کہ دونوں ہانڈیاں جل گئی ہیں— ایک میں مُرغ پک رہا تھا، دوسری میں شاہی ٹکڑے— ادھر میرے منہ سے یہ جملہ نکلا، ادھر انہوں نے گرج کر کان پکڑنے کا حکم دے دیا— میں نے کہا بھی کہ جناب میں تو آپ ہی کے حکم سے قمیص استری کرنے لگ گیا تھا— اس پر انہوں نے کہا کہ استری سے پہلے ہانڈیوں میں اتنا پانی ڈال دینا چاہیے تھا کہ دو منٹ تک ہانڈیوں کے جلنے کی نوبت نہ آتی— یہ تمہارا قصور ہے؛ لہذا باورچی خانے میں جاکر ان جلی ہوئی ہانڈیوں کی بُو سونگھتے ہوئے کان پکڑے رہو، صرف دو گھنٹے کے لیے۔"

"چچ چچ، یہ تو بہت بُرا ہوا— اچھا یہ بتاؤ، کان پکڑے ہوئے کتنی دیر ہو گئی ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"ابھی تو صرف پندرہ منٹ ہی ہوئے ہیں۔"

"اوہو، پھر تو منزل بہت دور ہے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا آپ میری مدد نہیں کریں گے۔" ظہور نے بھی گھبرا کر کہا۔

"خیر، وہ تو ہم کریں گے — بھئی، باورچی خانے میں تم درمیان میں کان چھوڑ بھی سکتے ہو — جب تھک جایا کرو تو کان چھوڑ دیا کرو۔ یہاں تمہیں کون دیکھ رہا ہے؟"

"نہیں جناب، یہ صاحب سے بے ایمانی ہوگی — یہاں ان کے نہ ہوتے ہوئے تو میں خوب تن کر کان پکڑتا ہوں — ہاں، ان کے آنے پر قدرے ڈھیلا ہو جاتا ہوں — تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں، کیوں بے بے ایمان، میری عدم موجودگی میں کان ڈھیلے پکڑتا ہے اور میرے سامنے تن کر۔"

"بھئی ملازم ہو تو اتنا ایمان دار — اچھا ٹھہرو، ہم ابھی تمہارے لیے کچھ کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ گلی سے واپس دروازے پر آئے اور گھنٹی بجا دی۔

اندر سے خان رحمان نے بلند آواز میں کہا:

"ظہور کے بچے کان چھوڑ کر پہلے یہ دیکھ لے کہ کون آئے ہیں۔ پھر انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اور مجھے اطلاع دے کر دوبارہ کان پکڑ لینا — اور ہاں، اس کام میں جو ایک منٹ یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ لگ گیا، وہ دو گھنٹے میں شامل نہیں — مطلب یہ کہ میں حساب لگا کر بتا دوں گا کہ تمہیں کتنے بجے تک کان پکڑنے ہیں۔"

وہ دروازے پر کھڑے مسکراتے رہے۔ یہاں تک کہ ظہور نے آ کر

دروازہ کھول دیا اور معصوم صورت بنا کر بولا:

"آپ نے ان کی بات سنی۔"

"ہاں سنی، تم فکر نہ کرو۔" یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہوئے۔ اور ظہور سے آگے نکل گئے — یہاں تک کہ رحمان خان کے کمرے میں پہنچ گئے — ان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا — وہ حامد، سرور اور ناز کے ساتھ لڈو جمائے بیٹھے تھے اور شہناز بیگم ان کے قریب بیٹھی برے برے منہ بنا رہی تھی — وہ دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے۔

"ارے یہ ظہور کا بچہ اب تک بتاتے نہیں آیا کہ کون آیا ہے۔"

"آنے والے تو آ بھی چکے ہیں انکل۔" فرزانہ بولی۔

"ہائیں، ارے تم۔" خان رحمان اچھل پڑے — حامد، سرور اور ناز کے چہرے بھی کھل اٹھے — شہناز بیگم بولیں:

"خدا کا شکر ہے، تم لوگوں کی شکلیں تو دکھائی دیں۔"

"لیکن نہیں، میں ان تینوں سے نہیں بولوں گا۔" خان رحمان منہ پھلا کر بولے۔

"ارے ارے، وہ کیوں انکل۔"

"اس لیے کہ تم لوگ اس بار پورے ایک ہفتے بعد آئے ہو۔"

"تو آپ بھی تو نہیں آئے۔"

"میں تو ذرا زمینوں کے حساب کتاب میں الجھا ... لاحول ولا قوۃ میں نے تو کہا تھا کہ بولوں گا نہیں اور کتنا فر فر بول رہا ہوں — چلو

خیر معاف کیا۔ اور ظہور تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جا کر کان پکڑو۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ پہلے آپ کو اطلاع دوں، کون آیا ہے ۔ پھر جا کر کان پکڑوں ۔ سو میں آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں ۔"

"اندھے ہو، دیکھتے نہیں ۔ یہ لوگ مجھ تک پہنچ چکے ہیں ۔"

"لیکن جناب، ان کے اندر داخل ہونے کے فوراً بعد ایک اور صاحب ملاقات کے لیے دروازے پر پہنچ گئے تھے، میں انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا آیا ہوں ۔"

"اوہ، تو یہ بات ہے ۔ کیا نام ہے اُن کا ؟"

"ٹمانڈے خان ۔"

"کیا بکتے ہو، ٹمانڈے خان یہاں کہاں ؟" خان رحمان نے بُرا سا منہ بنایا ۔

"لیکن جناب، آنے والے نے اپنا یہی نام بتایا ہے ۔ اس میں میں کیا کر سکتا ہوں ۔" ظہور نے بھی بُرا مان کر کہا ۔

"ہاں واقعی، اس میں تمہارا کیا قصور ۔ اچھا تمہاری باقی سزا معاف ۔ جلدی سے دو نئی ہانڈیاں چولہوں پر رکھ دو ۔ دیکھو نا مہمان آ گئے ہیں ۔ اور میں ذرا ٹمانڈے خان کی خبر لے لوں ۔"

یہ کہہ کر وہ تیز تیز چلتے اپنے کمرے سے نکل گئے ۔ محمود، فاروق اور فرزانہ انہیں دیکھتے ہی رہ گئے ۔

"امی جی، یہ ٹمانڈے خان کون صاحب ہیں ؟"

"یہ نام میں نے بھی اپنی زندگی میں پہلی بار سُنا ہے ۔" شہناز بیگم نے منہ بنایا، پھر بولیں : "اپنی کاروباری یا گھر سے باہر کی باتیں ہمیں نہیں بتاتے ۔"

"عجیب بات ہے، ٹمانڈے خان کا نام سُن کر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ ٹمانڈے خان یہاں کہاں ؟" فرزانہ نے قدرے پریشان لہجے میں کہا ۔

"ہر عام بات کو عجیب بات محسوس کرنا تمہاری عادت بن چکا ہے ۔ بھئی ٹمانڈے خان کہیں دُور دراز علاقے میں موجود ہوگا اور انکل خان رحمان کو ایک فی صد بھی اس کے یہاں ہونے کی امید نہیں ہوگی ۔" فاروق بولا ۔

"میں تو کچھ اُلجھن محسوس کر رہی ہوں، تم دونوں یہاں ٹھہرو، میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے ان کی باتیں سُننے کی کوشش کرتی ہوں ۔"

"جاؤ، جاؤ، کرو اپنا وقت برباد ۔" فاروق نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچایا اور فرزانہ اُسے گھورتی ہوئی چلی گئی ۔

"یار فاروق، بات یہ ہے کہ ہوں میں بھی فرزانہ کا ہم خیال ۔"

"گویا تمہیں بھی کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔" فاروق پھٹ پڑا۔

"ہاں، یہی بات ہے۔"

"تم چلے جاؤ، ٹماڑے خان کا دیدار کرنے اور اس کی باتیں سننے۔ میں تو آنٹی اور ان سے باتیں کروں گا۔"

بالکل ٹھیک، یہ بات کی تم نے دل خوش کرنے والی۔" حامد نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"ٹھیک ہے، ضرور کرو۔" محمود نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"ٹماڑے خان عجیب سا نام ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ......" فاروق سوچنے کے انداز میں کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا نہیں سوچ سکتے تھے — ہر بات میں سسپنس پیدا کرنے کی کوشش نہ کیا کرو۔" ناز نے بے چین ہو کر کہا۔

"یہ کہ انکل خان رحمان اس قسم کے ناموں والے آدمیوں سے بھی تعلق رکھتے ہوں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" سرور بولا۔

"سرور، کیا تمہیں معلوم نہیں۔ فاروق ایسی باتوں کا ماہر ہے۔" شہناز بیگم مسکرا کر بولیں — اسی وقت فرزانہ دروازے میں نظر آئی۔ اس کے چہرے کے آثار ایسے تھے کہ فاروق پریشان ہو گیا —

"خیر تو ہے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فرزانہ نے سرسراہٹ زدہ آواز میں کہا۔

"کیا ہوا فرزانہ، کیا کوئی پریشانی والی بات ہے۔"

"میں کچھ کہہ نہیں سکتی آنٹی — آپ لوگ یہیں ٹھہریں، ہم ابھی آکر بتاتے ہیں۔"

فاروق بھی اٹھا اور فرزانہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"میرے بغیر تمہاری سننے کی گاڑی اٹک گئی ہے کیا؟" وہ منمنایا۔

"خاموش رہو۔" فرزانہ نے آہستہ آواز میں کہا۔ فاروق کو بہت حیرت ہوئی کہ یہ اچانک کیا شروع ہو گیا —

وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم کی کھڑکی تک آیا۔ محمود کھڑکی کی جھری میں سے اندر جھانک رہا تھا — دونوں پٹ پوری طرح بند نہیں تھے۔ یا شاید فرزانہ نے ہاتھ کا دباؤ دے کر جھری بنا لی تھی۔ فرزانہ نے اسے اشارہ کیا کہ اندر دیکھو، فاروق نے جھری میں سے اندر دیکھا — اسے ایک لمبوترے سے سر والا آدمی صوفے پر بیٹھا ہوا دکھائی دیا — اس کا چہرہ کسی مردے کی طرح سفید ہو رہا تھا — آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔ اسی وقت اس کے ہونٹ ہلے:

"میں جانتا تھا جناب، آپ میری بات پر یقین نہیں کریں گے۔"

"تم نے وہیں سے فون کیوں نہ کیا — اتنی دور آنے کی کیا ضرورت تھی۔" خان رحمان کے لہجے میں ناراضی تھی۔

"میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خود آکر آپ کو سارے حالات سناؤں۔"

"خیر، میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور خود دیکھوں گا۔۔ لیکن ظاہر ہے، ہم کل سے پہلے نہیں جا سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے جناب، ہم کل چلے چلیں گے۔"

"تو میں تمہارے آرام کا بندوبست کراتا ہوں۔"

یہ کہہ کر خان رحمان اُٹھے اور ڈرائنگ روم سے نکل آئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ان سے پہلے ہی کھڑکی سے ہٹ کر خان رحمان کے کمرے میں آ چکے تھے۔۔ خان رحمان پہلے ظہور کو ہدایات دینے گئے، پھر اپنے کمرے میں آئے۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔۔

"تو آپ کل ٹانڈے خان کے ساتھ جا رہے ہیں۔" محمود نے اچانک کہا۔ خان رحمان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولے:

"تم میری اور ٹانڈے خان کی گفتگو سن چکے ہو؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔۔

"جی ہاں، صرف آخری چند جملے۔۔ ہمیں اصل بات کا پتا نہیں چل سکا ہے۔۔ آخر یہ ٹانڈے خان کون ہے؟" محمود بولا۔

"خیر، میں خود اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ تمہیں ساری بات بتا دوں۔ ہو سکتا ہے، تم کوئی مشورہ دے سکو۔"

"بہت مناسب خیال ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔۔

"تو پھر سنو، میری دولت یونہی بنک میں پڑی سڑ رہی تھی۔ میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اس دولت کو کسی کاروبار میں لگا دوں۔

ایک دن اخبار میں حکومت کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا۔۔ ملک کے شمالی حصے میں حکومت کچھ کانیں فروخت کر رہی تھی۔۔ دراصل حکومت کے کچھ ماہرین کا خیال یہ تھا کہ ان کانوں میں سے بعض میں بہت قیمتی دھاتیں ملنے کی زبردست امید ہے، لیکن حکومت اس کام کو خود شروع نہیں کرانا چاہتی تھی؛ چنانچہ اس نے کانوں کو فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔۔ یہ کانیں صرف پانچ پانچ لاکھ روپے میں فروخت کی جا رہی تھیں، لیکن کوئی دھات نکل آنے کی صورت میں حکومت کی طرف سے یہ پابندی عاید کی گئی تھی کہ دھات ملنے کے فوراً بعد حکومت کو اطلاع دے دی جائے۔۔ حکومت کان کے مالک سے، جس قدر دھات نکلتی رہے گی خریدتی رہے گی۔۔ اس طرح کان کے مالک کو بھی خاطر خواہ فائدہ ہوگا اور حکومت کو بھی، دھات نہ ملنے کی صورت میں البتہ کان خریدنے والوں کو نقصان تھا، لیکن دھات نکل آنے کی صورت میں لاکھوں کا فائدہ بھی تھا؛ لہٰذا دولت مند لوگوں نے یہ کانیں خریدنا شروع کیں۔۔ میں نے بھی اشتہار پڑھا تو تین کانیں خرید لیں۔۔ یہ آج سے ایک سال پہلے کی بات ہے۔۔ یہ کانیں جاوات کی وادی میں تھیں۔ میں وہاں گیا۔۔ ان کانوں میں کان کن لگائے۔ اپنا ایک مینیجر مقرر کیا۔۔ کان کنوں سے کام لینے والا ایک سپروائزر رکھا۔ سپروائزر کو ہدایت کی کہ روزانہ کام کی رپورٹ مینیجر کو دیا کرے اور مینیجر ہفتے میں کم از کم ایک بار مجھے فون پر حالات بتایا کرے؛ چنانچہ کام شروع کیا

گی۔ ابھی تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے، ایک کان میں سے تانبا نکل آیا۔
میرے مینیجر نے مجھے اطلاع دی۔ میں نے حکومت کو اطلاع دے دی۔
انہوں نے مجھے مبارکباد دی اور مجھ سے خریداری کی بات چیت کرنے کے بعد
اپنا عملہ وہاں بھیج دیا۔ اب جس قدر تانبا وہاں سے نکالا جاتا ہے، حکومت
خرید لیتی ہے۔ اس وقت تک میں بیس لاکھ روپے سے زائد کا تانبا
فروخت کر چکا ہوں؛ گویا میں نے جو روپیہ لگایا تھا، وہ پورا ہو چکا ہے۔
اور تینوں کانیں اب مجھے مفت میں پڑ رہی ہیں۔" یہاں تک کہہ کر
خان رحمان خاموش ہو گئے۔

"اور دوسری دو کانوں سے کچھ نہیں نکلا؟"

"نہیں، ان سے کچھ نہیں نکلا۔ کھدائی برابر جاری ہے۔ میں
نے اپنے مینیجر کے ذریعے ایک ماہر کو بلایا تھا۔ اس نے ان کانوں میں
اندر تک جا کر جائزہ لیا تھا اور یہی امکان ظاہر کیا تھا کہ ان میں کچھ
نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے باوجود میں نے کھدائی بند نہیں کرائی۔" انہوں
نے کہا۔

"یہ ٹانڈے خان کون ہے اور اس وقت کیا خبر لے کر آیا ہے؟"

"ٹانڈے خان ہی سپروائزر ہے۔" انہوں نے کہا: "اور یہ پیغام
لے کر آیا ہے کہ مینیجر کو کسی نے ہلاک کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

تین چیزیں

"ہاں، میرے مینیجر کی لاش اس کے کمرے میں ملی ہے۔ لاش کو
سب سے پہلے سپروائزر نے دیکھا۔ وہ سارے دن کے کام کی رپورٹ
اسے دینے گیا تھا۔ اس کا نام شومان خان تھا۔ اسی علاقے کا
رہنے والا تھا۔ ٹانڈے خان بھی اس کا ہم وطن ہے۔ وہاں کے
لوگوں سے صرف وہیں کے آدمی کام لے سکتے ہیں۔" خان رحمان نے
بتایا۔

"ظاہر ہے کہ پولیس وہاں پہنچ گئی ہوگی اور اس نے لاش
اپنے قبضے میں لے کر تفتیش شروع کر دی ہوگی، لیکن یہ ٹانڈے خان
یہاں کیوں دوڑا آیا ہے؟" محمود نے کہا۔

"مینیجر کی لاش ملنے کے بعد مزدوروں نے میری تینوں کانوں
میں کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی کان کے
سلسلے میں کوئی قتل وغیرہ ہو جائے تو یہ سلسلہ ختم ہونے کا نام نہیں
لیتا، بڑھتا جاتا ہے۔ اس لیے وہ ان کانوں میں کام نہیں کریں گے۔"

خان رحمان نے بتایا۔

"انہوں نے کونسی کانوں پر کام بند کیا ہے۔ کیا اس کان پر بھی، جس میں سے تانبا نکلا ہے؟"

"ہاں، تینوں کانیں ساتھ ساتھ ہیں۔ تینوں کے مزدور آپس میں ایک دوسرے کے رشتے دار ہیں۔ ٹانڈے خان خود بھی ان کا رشتے دار ہے۔"

"معاملہ پیچیدہ لگتا ہے، آپ یوں کریں کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔" فرزانہ نے سوچنے کے انداز میں کہا۔

"بات بہت مزے کی کہی تم نے۔ لیکن تمہارے سکولوں کا کیا بنے گا۔"

"آج کل سکولوں میں ٹورنامنٹ ہو رہے ہیں، پڑھائی تو ہوتی ہی نہیں، بس ہم درخواستیں بھیج دیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں ابھی انسپکٹر جمشید سے بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے انسپکٹر جمشید کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی۔ اس پر خان رحمان بولے:

"ہیلو جمشید، یہ میں ہوں تمہارا دوست خان رحمان۔"

"کیا واقعی؟" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔ تو بات یہ ہے کہ میں محمود، فاروق اور فرزانہ کو اپنے ساتھ جاوات کی وادی میں لے جا رہا ہوں۔"

"بھئی تمہارے گھر تک جانے کی اجازت دینے کا مطلب یہ نہیں کہ تم انہیں آگے جہاں جی چاہے لے جاؤ۔" انسپکٹر جمشید کی شوخ آواز سنائی دی۔

"لے جانے کو تو میں لے جا سکتا ہوں۔ اس وقت معاملہ دوسرا ہے۔ انہی کی طرف سے ساتھ لے جانے کی پیش کش ہوئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں، اس قسم کی پیش کشیں کرنے میں وہ بہت تیز ہیں۔"

"یار، پہلے پوری بات تو سن لو، میرے مینیجر کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"ہیں، یہ تمہارا ایک عدد مینیجر کہاں سے ٹپک پڑا۔ میں نے تو آج تک نہیں سنا کہ تمہارا کوئی مینیجر بھی ہے اور اس سے پہلے ہی بے چارہ قتل بھی کر دیا گیا۔ بھئی بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"یار سنو بھی تو سہی، تمہیں جاوات کی وادی کی کانوں کے بارے میں تو معلوم ہی ہے۔"

"ہاں، معلوم ہے۔ انہیں کیا ہوا، وہ خیریت سے تو ہیں۔"

"شاید آج فاروق کی بجائے مذاق کا بھوت تم پر سوار ہے۔" خان رحمان جل کر بولے۔

"ہاں معلوم ہوتا ہے، وہ اپنا مذاق کا بھوت یہیں چھوڑ گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"شومان خان دراصل انہی کانوں کا مینجر تھا۔"

"اوہ اچھا — اب وہ قتل کر دیا گیا ہے اور تم تفتیش کے لیے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔"

"اگر تم ساتھ چلنا پسند کرو تو مجھے اور بھی خوشی ہوگی۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"نہیں بھئی، میں بہت مصروف ہوں — ہاں، اگر وہاں کوئی پریشانی لاحق ہو جائے تو مجھے فون کر دینا، آنے کی کوشش کروں گا۔ بہرحال تم ان تینوں جاسوس کے پٹھوں کو ساتھ لے جا سکتے ہو۔"

"میں جانتا تھا، تم یہی کہو گے۔" خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"ہائیں، تم کس طرح جانتے تھے — یہ تم نے علم نجوم کب سے سیکھ لیا ہے۔"

"شاید بھوت والی بات ہی ٹھیک ہے۔" خان رحمان نے بھی ہنس کر کہا۔ اور ریسیور رکھ دیا۔

دوسرے دن وہ ٹانڈے خان کے ساتھ جہاز میں بیٹھ کر جاوات کی وادی کی طرف روانہ ہو گئے — صرف ایک گھنٹے بعد وہ وادی میں کانوں کی طرف پیدل سفر کر رہے تھے — یہاں کار اور جیپ میں سفر نہیں کیا جا سکتا تھا — ہر طرف پتھر ہی پتھر تھے، ہر طرف کانیں ہی کانیں تھیں اور ان سب کانوں میں کھدائی کا کام ہو رہا تھا — کان کنوں کے لباس سیاہ تھے، ان کے جسم بھی سیاہ ہو کر رہ گئے تھے۔ ٹانڈے خان

راستہ دکھانے کے لیے آگے آگے چل رہا تھا — پتھر سے بنی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے وہ رُک گیا اور مُڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا —

"یہ عمارت ہم نے کرائے پر لے رکھی ہے، مینجر اسی میں بیٹھتا تھا۔" خان رحمان نے انہیں بتایا۔

"ہوں۔" محمود نے عمارت کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہاں ایک کانسٹیبل کھڑا ان کی طرف گھور رہا تھا — ان کے قریب پہنچنے پر اس نے ٹانڈے خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا —

"ٹانڈے خان، کیا یہی خان رحمان ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اندر جائیے جناب، انسپکٹر صاحب آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں — وہ چاہتے ہیں، جلد یہاں سے فارغ ہو کر پولیس سٹیشن پہنچ جائیں۔"

"تو کیا وہ کل سے یہیں ہیں؟" یہ سوال فرزانہ نے کیا۔ کانسٹیبل نے اس پر ایک نظر ڈالی اور بولا:

"نہیں، تھوڑی دیر پہلے ہی آئے ہیں — کل لاش اٹھوانے اور دوسرے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد چلے گئے تھے۔"

پانچوں اندر داخل ہوئے — برآمدے کے بعد فوراً ایک کمرے کا دروازہ تھا — یہ کھلا تھا اور ایک پولیس افسر کرسی میں دھنسا اپنا ڈنڈا بار بار ہتھیلی پر مار رہا تھا — ایک حوالدار اس سے تھوڑی دور ایک

کرسی میں گم سم بیٹھا تھا — ان کے اندر داخل ہونے پر وہ سیدھے ہو
کر بیٹھ گئے۔ سب انسپکٹر نے خان رحمان سے ہاتھ ملایا اور بولا:

"شوبان خان کی موت پر مجھے بہت افسوس ہے اور اس سے
زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ اب یہاں کے لوگ آپ کی کانوں
میں کام نہیں کریں گے — دراصل جب کان کے سلسلے میں بھی یہاں
کوئی آدمی مارا جاتا ہے، مزدور اس کان میں کام کرنے سے گھبراتے ہیں۔
ان کا اس بات پر خیال جم جاتا ہے کہ آج ایک شخص ہلاک ہوا ہے
کل کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے اور شاید وہ دوسرا وہی ہو — بس
یہ چیز انہیں کام کرنے سے روک دیتی ہے۔" سب انسپکٹر بتاتا چلا
گیا —

"تو کیا یہاں کسی اور علاقے کے مزدور نہیں لائے جا سکتے۔"
خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا —

"ضرور لا سکتے ہیں، لیکن وہ معاوضہ بہت مانگیں گے جو آپ
دے نہیں سکیں گے۔"

"تو پھر اس مسئلے کا کیا حل ہے؟"

"یہ آپ کا مسئلہ ہے — آپ یہاں رہ کر کوشش کر دیکھیں؛
البتہ اس کی ایک ممکن صورت ضرور ہے اور وہ یہ کہ قاتل پکڑا جائے
اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے قتل کیوں کیا ہے — اس صورت میں
مزدور کام پر آ سکتے ہیں۔"

"اور کیا آپ قاتل کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے، کوئی وجہ
اب تک سامنے آ سکی؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔ سب انسپکٹر
نے اسے نظر بھر کر دیکھا اور پھر بولا:

"ابھی تک نہ تو یہ معلوم ہو سکا کہ یہ کس کا کام ہے اور نہ
یہ کہ جس کسی نے یہ کام کیا ہے، کس لیے کیا ہے۔"

"گویا آپ ابھی تک مکمل طور پر تاریکی میں ہیں۔" محمود بولا۔

"ہاں —"

"بہت خوب، اس قتل کے بارے میں کچھ تفصیل بتا سکتے ہیں
آپ؟" خان رحمان نے یہ سوچ کر کہا کہ کہیں سب انسپکٹر محمود،
فاروق اور فرزانہ کے پے در پے سوالات سے گھبرا نہ جائے —

"جی ہاں، کیوں نہیں — کل شام جب آپ کے سپروائزر کام
کی رپورٹ شوبان خان کو دینے آئے تو وہ فرش پر مردہ پڑے تھے۔
کسی نے ان کی کمر میں خنجر اتار دیا تھا، خنجر کمر میں دستے تک پیوست
ملا، وہ اوندھے پڑے تھے — ان کے ارد گرد خون پھیلا ہوا تھا۔" یہاں
تک کہہ کر سب انسپکٹر خاموش ہو گیا —

"کوئی اور چیز جو کمرے سے ملی ہو۔ جس سے قاتل کی شخصیت
پر روشنی پڑ سکے۔" محمود بول اٹھا۔

کمرے سے ہمیں تین چیزیں ملی ہیں جو خون میں لتھڑی ہوئی
تھیں — یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مقتول کی ہی ہیں یا قاتل کی

اس نے جواب دیا۔

"وہ تین چیزیں کیا ہیں؟" فاروق بولا۔

"تین چیزیں — اس میں سے ایک تو ایک قسم کا آلہ ہے آلہ بیٹری سے چلتا ہے — یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ آلہ کس قسم کا ہے اور اس سے کیا کام لیا جا سکتا ہے، کسی ماہر کو دکھانا پڑے گا — دوسری چیز ایک دُور کی نظر کی عینک ہے، یہ معلوم نہیں کہ عینک قاتل کی ہے یا مقتول کی — تیسری چیز جس نے ہمیں الجھن میں ڈال رکھا ہے، وہ ایک بیگ ہے۔ اس بیگ میں سے ہمیں دو بوتلیں ملی ہیں، یہ بوتلیں اگرچہ خالی ہیں، لیکن ان کی تہہ میں کوئی سرخ رنگ کی چیز جمی ہوئی ہے — بہت تھوڑی مقدار میں؛ گویا خالی کرتے وقت اس میں لگی رہ گئی — چیز نیچے آ کر جم گئی — میرے خیال میں وہ چیز خون ہے۔"

"جی، کیا کہا، خون؟" فاروق نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"ہاں، میں نے خون ہی کہا ہے، فون نہیں۔" سب انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ یہ بوتلوں والا معاملہ واقعی چکرا دینے والا تھا۔

"گویا ان تین چیزوں کے علاوہ اور کوئی خاص چیز نہیں ملی؟" کچھ لمحے بعد محمود نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"اور کیا خنجر پر کسی کی انگلیوں کے نشانات ملے؟" فاروق بولا۔

"جی ہاں، یہ بھی ایک حیرت انگیز بات ہے۔ خنجر کے دستے پر خود مقتول کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب لاش کا معائنہ تو کر چکے ہوں گے۔ ان کا کیا خیال ہے۔ شومان خان کو کل کس وقت ہلاک کیا گیا؟"

"ان کا خیال ہے کہ انہیں ایک بجے اور تین بجے کے درمیان ہلاک کیا گیا ہے — صحیح وقت پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا جو آج کسی وقت مل جائے گی۔" سب انسپکٹر اب ان کے سوالات سے حیران حیران نظر آنے لگا تھا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شومان خان نے خودکشی کی ہو؟" فاروق نے سب انسپکٹر کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج تک ایسا نہیں دیکھنے میں آیا کہ خودکشی کرنے والے نے خنجر اپنی کمر میں بھونک لیا ہو۔" سب انسپکٹر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ خودکشی کرنے والے کو کیا ضرورت ہے کہ اپنا ہاتھ کمر کی طرف لے جائے — وہ خنجر اپنے سینے میں آسانی سے اتار سکتا ہے۔"

"آپ مجھ سے بہت سے سوالات کر چکے ہیں۔ اب ایک سوال میں بھی کرنے کی اجازت چاہوں گا۔" سب انسپکٹر نے تینوں کو غور سے

دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور پوچھیے، ہم ضرور جواب دیں گے، بشرطیکہ دے سکے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"یہ پولیس آفیسروں جیسے سوالات کرنا آپ نے کہاں سے سیکھا؟"

"اوہ، یہ بات — میں بتاتا ہوں۔" خان رحمان نے ہنس کر بتانا چاہا، لیکن فوراً ہی محمود نے ان کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔

"دراصل ہم تینوں جاسوسی ناول بہت پڑھتے ہیں۔"

"اوہ، یہ جاسوسی ناول، لعنت ہو ان پر۔" سب انسپکٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آپ نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا۔" خان رحمان نے اس موضوع کو فوراً ہی بدلنے کے خیال سے پوچھا، کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ محمود نہیں چاہتا، سب انسپکٹر کو ان کے اصلی نام بتائے جائیں۔

"مجھے فوق قدوسی کہتے ہیں۔"

"واہ فوق صاحب، بہت اچھا نام مارا آپ نے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"جی کیا مطلب؟" فوق قدوسی نے حیران ہو کر کہا۔

"جی۔ مطلب یہ کہ آپ کا نام بہت پسند آیا۔" محمود جلدی سے بولا۔ اور فاروق کو گھورنے لگا۔

"اوہ، بہت بہت شکریہ۔ مجھے بھی اپنا نام بہت پسند ہے۔"

"مطلب یہ ہوا کہ کیس کافی اُلجھا ہوا ہے اور جلد قاتل کے ملنے کا کوئی امکان نہیں۔" خان رحمان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" فوق نے کہا۔

"اور جب تک قاتل نہیں مل جاتا، اس وقت تک میری کان کا کام شروع نہیں ہو سکتا۔ یعنی میرا روزانہ کا نقصان ہونا شروع ہو گیا ہے۔ انسپکٹر صاحب، یہ آپ کی ذمے داری ہے کہ آپ قاتل کو گرفتار کریں۔ میں چاہتا ہوں، کم از کم میری تانبے والی کان میں تو کام شروع ہو۔"

"میں کوشش تو کر رہا ہوں جناب، امید ہے کہ قاتل کو جلد پکڑ لوں گا، لیکن ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا آپ نے شمان خان کے گھر والوں سے رابطہ قائم کیا ہے؟ اس کا کوئی دشمن تو نہیں تھا۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں، میں اس کا دشمن تھا۔ لیکن افسوس، میں اس سے اپنا انتقام نہ لے سکا۔"

انہوں نے یہ جملہ حیرت زدہ انداز میں سنا۔ کمرے میں ادھر ادھر دیکھا، دروازے پر بھی کوئی نظر نہ آیا۔ آخر ان کی نظریں فوق قدوسی کے چہرے پر اٹک کر رہ گئیں، کیونکہ جملہ اسی کی آواز میں ان کے کانوں سے ٹکرایا تھا۔ ان کے چہروں پر حیرت کے بادل نمودار ہوئے۔ کئی سیکنڈ تک گہری خاموشی طاری رہی۔ آخر فرزانہ نے ایسی آواز میں کہا:

جیسے دُور کہیں کسی ویرانے کے کنویں سے بول رہی ہو —

"کیا یہ جملہ آپ نے کہا ہے؟"

"ہاں،" اُس کے منہ سے نکلا —

"تو کیا آپ شومان خان کے دشمن تھے؟"

"ہاں، لیکن افسوس، میں اس سے اپنا انتقام نہ لے سکا۔"

فوق قدوسی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا اور ان کی آنکھیں حیرت سے اور بھی پھیل گئیں —

خنجر کا مطلب

کچھ لمحے گہری خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ آخر محمود نے پوچھا۔

"آپ کو شومان خان سے کیا دشمنی تھی؟"

"خاندانی دشمنی — میرا اور اس کا خاندان صدیوں سے یہاں رہ رہا ہے اور نہ جانے کب سے ان دونوں خاندانوں میں دشمنی چلی آ رہی ہے، جب بھی موقع ملتا ہے، لڑائی جھگڑے کی نوبت آ جاتی ہے۔ پچھلے سال شومان خان نے ایک پتھر مار کر میرے بھائی کو ہلاک کر دیا تھا، لیکن اسے چونکہ پتھر مارتے کوئی دیکھ نہیں سکا تھا اور پتھر پر اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے تھے۔ اس لیے پولیس اسے گرفتار نہیں کر سکی تھی — میں چونکہ قانون کا محافظ بن چکا ہوں، اس لیے قانون کے ذریعے میں اس سے انتقام لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں اس ٹوہ میں تھا کہ کسی طرح اس کے خلاف کوئی ثبوت مل جائے۔"

یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا —

"لیکن آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے بھائی کو شومان خان

نے قتل کیا تھا؟" محمود نے پوچھا۔

"اس طرح کہ بھائی کی لاش ملنے کے دوسرے دن میں نے شومان خان کی آنکھوں میں طنز کی چنگاریاں دیکھی تھیں۔"

"ہوں، لیکن آپ نے یہ بات ہمیں کیوں بتائی؟"

"آپ نے پوچھا تھا نا، کیا یہاں شومان خان سے کسی کی دشمنی تھی؟ تو میں نے اس سوال کا جواب دے دیا۔ اس وقت اگر میں یہ بات چھپاتا اور بعد میں آپ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جاتی تو آپ ضرور مجھ پر شک کرتے، جب کہ بستی کے لوگ پہلے ہی مجھے شک کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر کو تو یہ یقین ہے کہ شومان خان کو میں نے ہی قتل کیا ہے۔"

"ہوں۔ خیر، چلیے۔ اس دشمنی والے سوال کو جانے دیں۔ یہ بتایئے کہ یہاں کبھی کان کے لیے کام کرنے والے کا قتل ہو جائے، تو دوسرے مزدور کام کرنا کیوں بند کر دیتے ہیں؟"

"وہ سمجھتے ہیں، آج ایک شخص قتل ہوا ہے، کل ان کی باری بھی آ سکتی ہے اور یہ ہے بھی درست۔ کانوں کے معاملات بھی عجیب غریب ہیں۔ ان کے چکروں کا پتا لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ میں آپ کا انتظار اسی لیے کر رہا تھا کہ آپ کو سارے حالات بتا دوں۔ بہتر تو یہ تھا کہ آپ اس علاقے میں نہ آتے، کیونکہ جو لوگ آپ کے مینیجر کو ہلاک کر سکتے ہیں، وہ آپ پر بھی وار

کر سکتے ہیں۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ شومان خان کو کیوں قتل کیا گیا ہے اور اسے قتل کرنے والا ہے کون؟ اس وقت تک آپ کے لیے بھی خطرہ ہے۔" اس نے گویا خبردار کیا۔

"خیر، دیکھا جائے گا۔" خان رحمان بولے۔

"بس یہی بات بتانے کے لیے میں ٹھہر گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ٹانڈے خان آپ کو لینے گیا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ، آپ اپنی تفتیش جاری رکھیے۔ میں کانوں کا معاملہ درست کرنے کی کوشش کروں گا۔" خان رحمان نے کہا اور سب انسپکٹر فوق چلا گیا۔

"کہیں یہ شخص ہمیں الو تو نہیں بنا رہا۔" اس کے جانے کے بعد محمود بولا۔

"میں اسی لیے آپ کو لینے دارالحکومت پہنچ گیا تھا کہ اس خاندانی دشمنی کی پلیٹ میں آپ کیوں آئیں۔ آپ مزدوروں کو سمجھا بجھا کر اور تھوڑا بہت ان کا معاوضہ بڑھا کر کام پر آمادہ کر لیں گے۔ خاص طور پر یہ بتا کر کہ شومان خان کے قتل کا تعلق کسی کان کے معاملے سے نہیں ہے۔"

"کیا مزدور مان جائیں گے؟"

"مجھے امید ہے کہ ضرور مان جائیں گے۔ ان لوگوں کا ذریعہ معاش ہی کیا ہے۔ کان کنی کرنا، کسی مجبوری کے تحت اگر یہ کام نہیں

کر سکتے تو خود بھی تو بھوکے مرتے ہیں، اور پھر اس قتل کے بارے
میں تو بستی کے اسی فیصد لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ کام ضرور
فوق قدوسی کا ہے — ان حالات میں تو مزدور ضرور مان جائیں گے۔
کسی کان کا معاملہ ہوتا تو پھر وہ بے شک کام پر آمادہ نہ ہوتے۔
آپ کی کانوں میں تو اس قسم کی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ ایک کان
سے بڑی مقدار میں تانبا نکل رہا ہے، جسے حکومت خرید رہی ہے —
دوسری دو کانوں سے اب تک کچھ نہیں نکلا، لیکن ہو سکتا ہے، ان
میں سے بھی تانبے کے ذخائر مل جائیں۔"

"ارے ہاں، شوماں خان نے کسی کانوں کے ماہر کو بھی تو بلایا تھا،
اس کا کیا نام تھا بھلا — اور اس نے کیا اندازہ لگایا تھا۔" فرزانہ
کو اچانک یاد آیا —

"ہاں، شوماں خان اس خیال سے ماہر کو بلا کر لایا تھا کہ اگر
ان دو کانوں سے کچھ نکلنے کی امید نہیں ہے، تو پھر بلا وجہ کیوں مزدور
لگائے رکھے جائیں، کیوں نہ ان مزدوروں کو بھی تانبے کی کان پر
لگا دیا جائے۔"

"آپ نے اس ماہر کا نام نہیں بتایا۔" فرزانہ نے پھر پوچھا۔

"اس کا نام رابرٹ کینیڈی ہے — ان کانوں کے نزدیک ہی اس
نے اپنا دفتر بنا رکھا ہے — کانوں کے مالک اسے اپنی کانوں کا جائزہ
لینے کے لیے بلاتے رہتے ہیں — وہ یہ کام معاوضہ لے کر کرتا ہے۔"

ٹمانڈے خان نے کہا۔

"یہ انگریز ہے؟" فاروق بولا۔

"جی ہاں۔"

"خیر، ہم تھوڑی دیر سفر کی تھکن دور کریں گے — پھر چل کر
مزدوروں سے بات کریں گے۔ اس کے بعد یہ جائزہ لیں گے کہ
قتل کس نے کیا ہے اور اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اس
راز سے پردہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تو اس صورت میں تو
مزدوروں کو کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا؟"

"بالکل نہیں۔"

"بس ٹھیک ہے، ہم دیکھ لیں گے، تم شام کے وقت آجانا۔"
خان رحمان نے کہا اور ٹمانڈے خان انہیں سلام کر کے چلا گیا۔

"کیوں بھئی، اس وقت تک تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟"

"اندازہ کیا خاک لگائیں گے انکل، ہم سے ایک بڑی زبردست
بھول ہو چکی ہے — محمود نے جھلا کر کہا۔

"وہ کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہم نے انسپکٹر فوق سے یہ بات نہیں پوچھی کہ لاش کس
رخ پر پڑی تھی۔"

"واقعی یہ بہت ضروری بات تھی — فوق صاحب بھی ہمارے بارے
میں کیا سوچتے ہوں گے — یہ جاسوسی ناول پڑھنے والے بچے بھلا

جاسوسی کرنا کیا جانیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں، یہ بات تو تم پولیس سٹیشن پہنچ کر بھی معلوم کر سکتے ہو۔" خان رحمان نے کہا۔

اسی وقت ایک چیخ ہوا کے دوش پر تیراتی ہوئی ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چونک اُٹھے اور پھر باہر کی طرف بھاگے۔

○

عمارت سے باہر نکل کر انہوں نے چاروں طرف دیکھا، لیکن دُور دُور تک چیخنے والا نظر نہ آیا۔

"حیرت ہے، آخر چیخ کس کی تھی؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"یہ پہاڑی علاقہ ہے، آواز کہیں کی کہیں جا پہنچتی ہے۔ نہ جانے چیخنے والا یہاں سے کتنی دُور اور کس سمت میں ہے۔" محمود نے کہا۔

"کم از کم میں سمت کا اندازہ تو لگا چکا ہوں۔ آواز اس عمارت کی پشت کی طرف سے آئی تھی۔" فاروق نے کہا۔

"تو پھر آؤ چل کر دیکھ لیتے ہیں۔ انکل آپ آرام کریں۔"

"اگرچہ میں تھکن محسوس نہیں کر رہا، تاہم اس خیال سے کہ تم آزادانہ کام کر سکو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، لیکن تم

محتاط رہو گے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سب انسپکٹر نے ہمارے لیے خطرہ ظاہر کیا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

یہ کہہ کر تینوں مکان کی پشت کی سمت میں روانہ ہو گئے۔

خان رحمان کچھ دُور تک تو انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر مُڑے اور چکر کاٹ کر عمارت میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے خود کو بستر پر گرا دیا اور خیالات میں ڈوب گئے۔ اس کاروبار میں انہیں اچھا بھلا منافع ملنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اس واردات کے بعد سارا کام چوپٹ ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے، کیا محمود، فاروق اور فرزانہ اس قتل کا سراغ لگا لیں گے۔ اپنے ذہن میں انہوں نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ اگر نہ لگا سکے تو کیا ہے۔ وہ انسپکٹر جمشید کو بُلا لیں گے۔ چند چیزیں تو مل ہی چکی ہیں۔ ان کی مدد سے انسپکٹر جمشید جرم کی تہ تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ان کا ذہن ان چیزوں کی طرف گھوم گیا۔ ان میں ایک تو آلہ تھا، دوسرے نظر کی عینک اور تیسری دو خالی بوتلیں جن کی تہ میں خون جما ہوا تھا۔ اور پھر خنجر پر خود مقتول کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ یہ چیزیں ایسی تھیں کہ انسپکٹر جمشید جیسا آدمی تو ضرور ہی قتل کا سراغ لگا سکتا تھا۔

وہ انہی خیالات میں گم تھے کہ انہوں نے قدموں کی چاپ سُنی۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کو گئے تو ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے، لہذا یہ وہ تو نہیں ہو سکتے تھے ۔ وہ چونک کر سیدھے ہو گئے۔ لیکن انہیں دیر ہو چکی تھی ۔ آنے والا اس وقت تک کمرے میں داخل ہو چکا تھا ۔ انہوں نے دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک چمکدار خنجر تھا، چہرے پر ایک نقاب تھا اور ہاتھوں میں دستانے ۔ شاید نقاب کے پیچھے اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ بھی پھیل رہی ہوگی ۔

"ہیلو، کیسے مزاج ہیں ؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ۔ شاید آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا ۔

"بہت اچھے، کیسے کیسے آنا ہوا ۔" خان رحمان نے بھی لاپروائی کا مظاہرہ کیا ۔ البتہ اس دوران وہ اٹھ کر بیٹھ چکے تھے ۔

"کیا تم اس خنجر کا مطلب نہیں سمجھتے ؟" نقاب پوش نے طنزیہ لہجے میں کہا ۔

"خنجر کا مطلب ؟" انہوں نے سوالیہ لہجے میں کہا ۔

"ہاں ۔"

"خنجر کا مطلب تو خنجر ہی ہوتا ہے ۔" وہ بولے ۔

"خیر، میں بتاتا ہوں ۔ یہ بالکل ویسا ہی خنجر ہے جیسا شومان خان کی کمر میں پیوست کیا گیا ہے ۔"

"اوہ، میں سمجھا، تم شومان خان کے قاتل ہو ۔"

"ہاں، یہی بات ہے اور اب تمہیں اس دنیا سے مٹانے آیا

ہوں ۔"

"سوال یہ ہے کہ میں نے یا شومان خان نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ؟"

"یہی تو تم دونوں کی بدقسمتی ہے ۔ اور تم دونوں کی ہی کیا، ابھی تو نہ جانے کتنے آدمی بدقسمت ثابت ہوں ۔" اس نے ہنس کر کہا ۔

"گویا یہ قتل خاندانی دشمنی کی بنا پر نہیں ہوا ۔" خان رحمان نے کچھ سوچ کر کہا ۔

"نہیں، جو تم سوچ رہے ہو، وہ بات نہیں ہے ۔ میں فوق قدوسی نہیں ہوں ۔"

"یہ بات کس طرح کہی جا سکتی ہے کہ تم فوق ہو یا کوئی اور، تمہارے چہرے پر نقاب ہے اور اس نقاب کے پیچھے کوئی بھی چہرہ ہو سکتا ہے ۔"

"اب میں تمہیں اپنا چہرہ تو دکھانے سے رہا ۔"

"خیر، اب تم چاہتے کیا ہو، صاف صاف لفظوں میں بتاؤ ۔"

"تمہاری موت، اس کے علاوہ میں کچھ نہیں چاہتا ۔" یہ کہہ کر وہ تیر کی طرح ان کی طرف آیا ۔

خان رحمان اچھل کر بستر سے کھڑے ہو گئے ۔ ان کی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آتے تھے ۔ لہذا وہ گھبرانے والے نہیں تھے ۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ان کے مقابل کے ہاتھ میں خنجر تھا

اور وہ خالی ہاتھ تھے — اچانک انھوں نے خنجر والے ہاتھ کو اوپر اٹھتے
اور پھر بجلی کی تیزی سے اپنے پیٹ کی طرف آتے دیکھا — اگر وہ
اچھل کر ایک دم پیچھے نہ ہٹ جاتے تو ترچھا خنجر ان کا پیٹ
چاک کرتا چلا جاتا — دوسری طرف حملہ آور کا منہ حیرت سے
کھل گیا — شاید اسے اپنے مقابل سے اتنی پھرتی کی امید نہیں
تھی —

"بھائی، حیران کیوں ہو رہے ہو، میں اتنا عام آدمی نہیں
ہوں، ریٹائرڈ فوجی ہوں —" خان رحمان نے پر سکون آواز میں کہا۔
پھر بولے:

"اگر یہ معاملہ صرف دولت کا ہے تو میں تمہیں بے تحاشا
دولت دینے کے لیے تیار ہوں اور اگر چکر ان کانوں کا ہے تو
تینوں کانیں تمہارے نام کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن مصیبت
یہ ہے کہ تم شومان خان کے خون سے ہاتھ رنگ چکے ہو اور
پولیس تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا
ہوتا اور مجھ سے بات کی ہوتی تو یہ معاملہ بغیر کسی خون خرابے
کے طے ہو سکتا تھا — اب اگر میں تمہیں دولت اور کانیں دے بھی
دوں تو تم اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے — کیوں کیا
خیال ہے —"

"موت کو سر پر دیکھ کر تینوں کانیں اور دولت تو کیا، لوگ

اپنا سب کچھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، لیکن تم فکر نہ کرو۔
یہ چیزیں اب تمہارے کسی کام نہیں آ سکیں گی —" اس نے کہا۔

"تم غلط سمجھے، معاملہ موت کا نہیں، دولت کی اہمیت کا
ہے — میری نظروں میں دولت اتنی اہم چیز نہیں کہ اس کی خاطر
انسانی خون میں ہاتھ رنگے جائیں، جب کہ تمہارے نزدیک یہ معمولی
بات ہے —"

"بالکل ٹھیک سمجھے، یہ میرے لیے معمولی بات ہے —" ان
الفاظ کے ساتھ ہی اس نے دوبارہ حملہ کیا، اس بار اس نے ان
کے بائیں کندھے پر وار کیا تھا — خان رحمان نے جھک کر بڑی مشکل
سے خود کو اس وار سے بچایا — ساتھ ہی انھوں نے محسوس کیا کہ وہ
زیادہ دیر تک خود کو خنجر کے وار سے نہیں بچا سکیں گے، کیوں کہ
حملہ آور بہت پھرتیلا ہے — اگر ان کے ہاتھ میں بھی خنجر ہوتا تو
بات اور تھی — انھوں نے دل میں خواہش محسوس کی کہ کاش،
محمود، فاروق اور فرزانہ آ جائیں، لیکن بھلا وہ کیسے آ سکتے تھے، وہ
تو اس وقت مخالف سمت میں جا رہے ہوں گے — آخر انھوں نے سوچا،
محمود، فاروق اور فرزانہ کی واپسی کی امید کرنے کی بجائے خود دلیری
سے حملہ آور کا مقابلہ کرنا چاہیے — انھوں نے ادھر ادھر نظریں
دوڑائیں، لیکن کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی، جسے وہ اپنے بچاؤ کے لیے
استعمال کر سکتے — آخر انھوں نے اپنے بازوؤں کی مدد سے مقابلہ

کرنے کی ٹھان لی۔ اس وقت وہ حملہ آور سے صرف دو فٹ کے فاصلے
پر کھڑے تھے۔۔ حملہ آور کی نظریں ان پر جمی تھیں اور شاید وہ بھی
حملے کا زاویہ سوچ رہا تھا۔ اچانک اس نے ہاتھ اوپر اُٹھایا۔ ساتھ ہی خان
رحمان کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ ادھر خنجر والا ہاتھ نیچے آیا اور انہوں
نے اسی ہاتھ کی طرف اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر حملہ آور کی کلائی پر
ان کا ہاتھ جم چکا تھا۔۔ حملہ آور بھی جیسے اپنی پوری طاقت بازو میں
سمیٹ لایا۔ اب اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح خنجر ان کے جسم میں
اُتار دے اور خان رحمان اس کوشش میں تھے کہ خنجر کو اپنے جسم
سے دُور رکھ سکیں۔۔

چند منٹ اسی کوشش میں گزر گئے۔۔ اور پھر خنجر آہستہ آہستہ
خان رحمان کے جسم کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت خان رحمان کو محسوس
ہوا، حملہ آور ان سے زیادہ طاقت ور تھا۔۔

چیخنے والے کی تلاش

چند منٹ تک چلتے رہنے کے بعد بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔
تو فرزانہ بے چینی محسوس کرنے لگی۔۔ اس نے ایک نظر محمود اور فاروق
کی طرف دیکھا اور بولی:

"میں بے چینی محسوس کر رہی ہوں۔"

"یہ تمہاری بہت پُرانی عادت ہے۔" فاروق منمنایا۔

"محمود، تم نے سُنا، میں نے کیا کہا ہے۔" فرزانہ نے پیر پٹخ
کر کہا۔۔

"ہاں، میرے دونوں کان بالکل صحیح سلامت ہیں۔" وہ مُسکرایا۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔ محمود، شاید تم پر بھی فاروق کا رنگ چڑھ گیا
ہے۔۔"

"مجھے تمہارا جملہ سُن کر حیرت ہوئی، میرا خیال تھا کہ تم کہو گی، کیا
فاروق کے ساتھ تم پر بھی مذاق کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔"

"خیر، اب تو جو جملہ منہ سے نکل گیا، وہ نکل گیا۔"

خیر، تم دونوں اگر سنجیدگی اختیار کرنے پر تیار نہیں تو نہ سہی۔ سنو، میرا خیال ہے، کسی نے ہمیں اُلو بنایا ہے۔"

"کیا کہا، اُلو بنایا ہے؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں، وہ چیخ فرضی تھی — ہمیں گھر سے باہر نکالنے کی سادہ سی ترکیب تھی۔" فرزانہ نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ذرا یہ بھی تو بتاؤ۔"

"کیا تم بھول گئے، فوق قدوسی نے کیا کہا تھا، یہ کہ انکل رحمان کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہے۔"

"اوہ ہاں، لیکن اس کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہمیں اُلو بنایا گیا ہے۔"

"تو پھر اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم دونوں سیدھے چلے جاؤ، اس چیخنے والے کی تلاش میں — اور میں واپس عمارت میں جاتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے — اس ترکیب پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" محمود نے فاروق کی طرف دیکھا۔

"اگر تمہارے خیال میں کوئی حرج نہیں تو میرے خیال میں حرج کہاں سے آیا؟" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اس میں دھت تیرے کی کہنے اور ران پر ہاتھ مارنے کی کیا

ضرورت پیش آ گئی۔"

"تم دونوں وقت ضائع کرتے رہو، میں چلی۔" فرزانہ نے جلے بھنے انداز میں کہا اور واپس مڑ گئی۔

"اچھی بات ہے، خدا حافظ — عمارت میں ہی رہنا، باہر نہ نکلنا۔ ہم دونوں جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔"

"شکریہ۔" فرزانہ نے منہ موڑے بغیر بھنا کر کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

ادھر محمود اور فاروق نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی — تقریباً دس منٹ تک چلنے کے بعد بھی انہیں کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ آخر فاروق نے رکتے ہوئے کہا:

"تو کیا فرزانہ کا ہی خیال ٹھیک تھا۔"

"یہ بات کہنے کے لیے رکنے کی کیا ضرورت تھی؟" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"اوہ سوری، لیکن میں سمجھتا ہوں، اب ہمارے اور آگے جانے کا کوئی فائدہ نہیں، یہ چیخ اتنی دور کی نہیں تھی۔"

"یہ پہاڑی علاقہ ہے اور تم پہاڑی علاقے کے بارے میں کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔"

"اچھا خیر، اگر تم اور آگے چلنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

لیکن ابھی چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ ان کے قدم رک گئے — ایک چٹان پر ان کی نظریں جم کر رہ گئیں — کوئی شخص اس چٹان پر اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کی کمر میں خنجر پیوست تھا — ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے — کئی سیکنڈ تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اس لاش کو دیکھتے رہے — ابھی اس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکے تھے، کیونکہ وہ نیچے جھکا ہوا تھا اور رُخ بھی چٹان کی طرف تھا —

"تو فرزانہ کا خیال غلط تھا — چیخ اسی بے چارے کی تھی۔ اور وہ اس کی آخری چیخ تھی۔" محمود بڑبڑایا —

"آؤ، ذرا دیکھیں تو سہی، یہ ہے کون؟"

دونوں آگے بڑھے — محمود نے اس کے بالوں کو پکڑ کر چہرہ اوپر اٹھایا، لیکن یہ چہرہ ان کے لیے اجنبی تھا — یوں بھی ابھی وہ یہاں سب انسپکٹر قدوسی سے ہی ملے تھے، اس کے علاوہ کسی کو دیکھا تھا، نہ ملے تھے — ان حالات میں چہرہ ان کے لیے اجنبی ہی ہو سکتا تھا —

"طمانڈے خان ہی بتا سکتا ہے کہ یہ کون ہے؟" محمود نے افسوس زدہ لہجے میں کہا —

پھر اس نے لاش کے جسم کو چھو کر دیکھا، جسم ابھی گرم تھا؛ گویا انھوں نے جو چیخ سنی تھی — وہ واقعی اس کی تھی —

"ہمیں پہلے تو عمارت میں چل کر انکل خان رحمان کو حالات سے باخبر کرنا چاہیے — اور پھر طمانڈے خان کے ذریعے پولیس کو بلانا چاہیے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ کون تھا۔" محمود نے تجویز پیش کی —

"ہوں، یہ ٹھیک رہے گا، آؤ چلیں۔"

دونوں واپس مڑے اور عمارت کی طرف چل پڑے — عمارت میں داخل ہوتے ہی وہ حیران رہ گئے —

۱۰

فرزانہ عمارت میں داخل ہوئی اور پھر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا — اس نے دیکھا، خان رحمان ایک شخص سے بھڑے ہوئے ہیں — اس شخص کا خنجر والا ہاتھ خان رحمان کی گردن کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے — فرزانہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو گھبرا جاتا، لیکن اس نے اپنے اوسان بحال رکھے — آہٹ پیدا کیے بغیر باہر نکلی اور دروازے کے پاس پڑے بڑے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لائی — بس پھر کیا تھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، لپک کر پتھر حملہ آور کے سر پر دے مارا — لیکن ہوا یہ کہ حملہ آور نے اس کے لپکنے کی آواز سن لی اور عین اسی وقت مڑ کر دیکھ لیا — جب وہ پتھر اٹھائے عین اس کے سر پر پہنچ چکی تھی؛ چنانچہ اس نے نہایت پھرتی سے اپنا سر

دائیں طرف جھکا دیا — نتیجہ یہ ہوا کہ پتھر اس کے بائیں کندھے پر لگا۔
اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی — کندھے پر لگنے کی
وجہ سے پتھر نے اُسے زیادہ نقصان تو نہیں پہنچایا؛ تاہم اتنا ضرور
ہوا کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، اور موقعے سے فائدہ اٹھا کر خان
رحمان نے اس کا خنجر والا ہاتھ اپنی گردن کے پاس سے ہٹا کر ایک
طرف جھکا دیا — اتنی دیر میں فرزانہ پھر پتھر سر سے اوپر بلند کر چکی
تھی — اس نے بارُعب آواز میں کہا —

"خنجر ہاتھ سے گرا دو — ورنہ پتھر اس بار تمہارے سر کے
عین اوپر گرے گا —"

اس نے چند سیکنڈ کے لیے سوچا اور پھر خنجر ہاتھ سے گرا دیا۔
دوسرے ہی لمحے فرزانہ نے آگے بڑھ کر خنجر اٹھا لیا — اب خنجر اُس
کے دائیں ہاتھ میں اور پتھر بائیں میں تھا۔ اس نے شوخ آواز میں کہا:

"اب تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ — اور ہاتھ سر سے بلند کر لو۔
اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تمہارا خنجر تمہارے ہی جسم میں اُتر جائے
گا — کیونکہ اتفاق سے میں خنجر پھینکنے میں تھوڑی سی ماہر ہوں —
اور زیادہ ماہر بننے کی کوشش کر رہی ہوں —"

حملہ آور خان رحمان سے الگ ہو گیا اور کھڑے ہوتے ہوتے ہاتھ
بلند کر لیے — خان رحمان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"تمہارا شکریہ فرزانہ، اور خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے، جس

نے اس نازک وقت میں تمہیں یہاں بھیج دیا؛ ورنہ میں تو آج چل بسا
تھا۔"

"خدا نہ کرے انکل، چل بسیں آپ کے دشمن۔" فرزانہ نے
بڑی بوڑھیوں کی طرح مسکرا کر کہا —

"لیکن تم واپس کیسے آ گئیں، محمود اور فاروق کہاں رہ گئے؟"

"کئی منٹ تک چلتے رہنے کے بعد بھی جب ہمیں چیخنے والا نظر
نہیں آیا تو مجھے شک گزرا، کہیں ہمیں چکر تو نہیں دیا جا رہا۔ اسی
خیال نے مجھے پریشان کر دیا — میں نے محمود اور فاروق سے فوراً واپس
چلنے کے لیے کہا — لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی؛ چنانچہ وہ
آگے بڑھتے چلے گئے — اور میں واپس آ گئی — یہاں پہنچی تو منظر
بہت خوفناک تھا، میں واپس باہر نکلی اور یہ پتھر اٹھا لائی، کیونکہ اس
کمرے میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی — جس سے حملہ آور پر
وار کیا جا سکتا —"

"ہوں، اب ہم کیا کریں؟"

"سب سے پہلے تو آپ اسے باندھ لیں — اس کے بعد ہم
اس کا نقاب اتار کر دیکھیں گے کہ یہ کون ہے اور اس سے پوچھیں گے،
یہ آپ کی زندگی سے کیوں کھیلنا چاہتا تھا — اتنی دیر میں محمود اور فاروق
بھی آ جائیں گے — پھر ہم فوق قدوسی صاحب کو دوبارہ یہاں آنے کی
زحمت دیں گے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی —

"بہت خوب، بالکل اسی طرح کیا جائے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اسے باندھیں کس چیز سے؟" خان رحمان بولے۔

فرزانہ نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں — خان رحمان نے بھی یہی کیا اور یہی ان کی غلطی تھی — حملہ آور نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور دوڑ لگا دی۔

"ارے وہ نکل بھاگا" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا اور خنجر ہاتھ میں لیے اس کے پیچھے بھاگی — خان رحمان نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ دونوں باہر نکلے تو حملہ آور انہیں کافی فاصلے پر جاتا نظر آیا — وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا — فرزانہ نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ وہ خنجر کی مار سے باہر نکل چکا ہے۔ پھر بھی اس نے گرجدار آواز میں کہا۔

"ٹھہر جاؤ۔ ورنہ خنجر پھینک ماروں گی"

حملہ آور نے جیسے اس کی آواز سنی ہی نہیں، بھاگتا چلا گیا۔ فرزانہ جھلا اُٹھی — اس نے دانت پیستے ہوئے کہا:

"کوئی بات نہیں، میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی — انکل آپ آ رہے ہیں نا میرے ساتھ؟"

"ہاں فرزانہ، تم فکر نہ کرو، تمہارا انکل ابھی اتنا بوڑھا نہیں ہوا کہ ان پتھریلے راستوں پر دوڑ نہ سکے" خان رحمان کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور اس نے رفتار اور بڑھا دی — درمیانی فاصلہ کسی طرح کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا — شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ حملہ آور

اسی علاقے کا رہنے والا تھا اور ان راستوں پر چلنے پھرنے اور دوڑنے کا عادی تھا۔ انہیں اس قسم کے رستوں پر روزانہ دوڑنے کا موقع نہیں ملتا تھا — پھر بھی فرزانہ اور خان رحمان نے ہمت نہ ہاری اور اپنی رفتار بڑھاتے چلے گئے —

"کاش انکل آپ اپنا پستول ساتھ لے آئے ہوتے۔ اس وقت تک اسے نشانہ بنایا جا چکا ہوتا" فرزانہ نے دوڑتے ہوئے کہا —

"اب مجھے کیا معلوم تھا، یہاں اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا" خان رحمان بولے —

چند سیکنڈ بعد انہوں نے درمیانی فاصلہ کم ہوتا محسوس کیا۔ دونوں پر جوش کی کیفیت طاری ہو گئی — انہوں نے اور بھی لمبی چھلانگیں لگانا شروع کر دیں — اچانک انہوں نے حملہ آور کو گرتے دیکھا —

"انکل، وہ گر پڑا ہے۔ شاید اس نے ٹھوکر کھائی ہے۔ ہمیں اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہیے — درمیانی فاصلہ کم ہونے پر تو میں اس پر اپنا خنجر آزما سکتی ہوں، آئیے"

فرزانہ اس بے تحاشا انداز میں دوڑی کہ خان رحمان بھی حیران رہ گئے، انہیں اس کا ساتھ دینا مشکل ہو گیا۔

"حیرت ہے انکل" اسی وقت اس نے فرزانہ کی بڑبڑاہٹ سنی۔

"کس بات پر حیرت ہے، اس پر کہ میں تمہارا پوری طرح ساتھ نہیں دے پا رہا ہوں" خان رحمان بولے —

"نہیں انکل، مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ حملہ آور گرنے کے بعد اب تک اُٹھا کیوں نہیں۔"

"ہو سکتا ہے، گرتے وقت اس کے سر پر چوٹ لگ گئی ہو۔ اور وہ بے ہوش ہو گیا ہو۔"

"جی ہاں، اس کا امکان ہے، خیر اگر اب اس نے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی بھی تو یہ خنجر اس کی کمر تک پہنچ جائے گا۔" فرزانہ نے خنجر والے ہاتھ کو حرکت دی۔

جلد ہی وہ حملہ آور تک پہنچ گئے — وہ ابھی تک جوں کا توں پڑا تھا — گرنے کے بعد اس نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہیں کی تھی —

"بہت عجیب بات ہے — چوٹ لگنے کی صورت میں بھی اسے ہلنا جلنا تو چاہیے تھا — کچھ تڑپنا تو چاہیے تھا۔" فرزانہ بولی۔

خان رحمان نے منہ سے کچھ نہ کہا — اب وہ بھی پریشان ہو گئے تھے۔ ان کی نظریں حملہ آور پر جم گئی تھیں — آخر انہوں نے کہا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ مر گیا ہے۔"

"جی ہاں، میں بھی یہی سمجھتی ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ دوڑتے دوڑتے یہ گرا، نہ لڑھکا، نہ بہت اونچائی سے کسی کھائی میں گرا، پھر مر کیسے گیا؟"

"یہ تو یہی بتا سکتا ہے۔" خان رحمان نے بے خیالی میں کہا۔

فرزانہ کی ہنسی نکل گئی اور جب خان رحمان کو اپنے جملے کا خیال آیا تو وہ بھی ہنسنے لگے — دونوں پوری طرح احتیاط کرتے ہوئے، دو طرف سے حملہ آور کے نزدیک پہنچے۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ دھوکا دینے کی کوشش میں نہ ہو — لیکن جب انہیں اس کے جسم میں بالکل کوئی حرکت نظر نہ آئی تو خان رحمان اس کے اور نزدیک ہو گئے — انہوں نے اسے سیدھا کر دیا — دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ حملہ آور کے سینے میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا — اور یہ خنجر ضرور پھینک کر مارا گیا تھا — کیونکہ انہوں نے حملہ آور کے آس پاس کسی کو نہیں دیکھا تھا — حملہ آور کا قاتل ضرور خود کو کسی چٹان کی اوٹ میں چھپائے ہوئے تھا — اچانک فرزانہ کے منہ سے سرسراہٹ زدہ آواز میں نکلا:

"لیٹ جائیے انکل، فوری طور پر لیٹ جائیے اور نشیب میں لڑھکنا شروع کر دیجیے — اسی قسم کا کوئی خنجر ہم میں سے کسی کا مزاج پوچھنے بھی آ سکتا ہے۔"

فرزانہ کے الفاظ سنسنی خیز تھے — صاف ظاہر ہے کہ حملہ آور خان رحمان کو ختم کرنے کی نیت سے آیا تھا — لیکن اسے ناکام ہو کر بھاگنا پڑا — اب اسے کسی نے خنجر مار کر ہلاک کر دیا تھا: گویا اس شخص نے حملہ آور کو بھیجا تھا — حملہ آور ہی خان رحمان کو ہلاک کرانا چاہتا تھا — اس نے اپنے آدمی کو ہلاک کر دیا تو انہیں

یوں معاف کرنے لگا — یہی خیال فرزانہ کو آیا تھا — خان رحمان نے
بھی موقعے کی نزاکت کو بھانپ لیا۔ اور فوراً نیچے لیٹ گئے — فرزانہ
نے بھی یہی کیا — خنجر ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا — دونوں نشیب
میں لڑھکتے گئے —

"مجھے ایک بات کا افسوس رہے گا انکل" — لڑھکتے ہوئے
فرزانہ نے کہا —

"کس بات کا؟" خان رحمان بولے —

"اس بات کا کہ ہم حملہ آور کا چہرہ نہیں دیکھ سکے — ہمیں اس
کا نقاب ضرور الٹ دینا چاہیے تھا"

"تو کیا ہوا! تھوڑی دیر بعد جب ہم پولیس کو ساتھ لے
کر اس طرف آئیں گے تو دیکھ لیں گے"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک قاتل لاش
کو غائب کر دے"

"ہوں، تو پھر تم کیا چاہتی ہو؟ کیا واپس چلیں اور اس کا
چہرہ دیکھ آئیں"

"نہیں اب اس کا موقع نہیں — ان چٹانوں میں سے کسی بھی
چٹان کی اوٹ سے کوئی خنجر ہمارے سینے کا رخ کر سکتا ہے — سچ
تو یہ ہے انکل، ہم نے ایک نہایت مشکل مہم میں ہاتھ ڈالا ہے
اس مرتبہ"

"اگر تم یہ محسوس کر رہی ہو تو جمشید کو یہاں بلا لیتے ہیں"

"ابا جان ہمیں نالائق کا خطاب دے دیں گے" فرزانہ
نے کہا —

"میں انہیں یہ خطاب نہیں دینے دوں گا" — خان رحمان نے
مسکرا کر کہا۔

دونوں لڑھکتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن ایک جگہ ان کا لڑھکنا
بند ہو گیا — اب وہ ایک ایسی چٹان پر تھے کہ اٹھ کر اس پر سے
نیچے پہنچنا ضروری تھا — دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، گویا
کہہ رہے ہوں۔ اب کیا کیا جائے —

"یہ ضروری تو نہیں کہ حملہ آور آس پاس ہی چھپا ہوا ہو"
خان رحمان نے سرگوشی کی —

"جی بہت ضروری ہے — آخر وہ اس موقعے کو کیوں ضائع
کرے گا — اس وقت اگر وہ ہمارا کام تمام کر کے چلتا بنے تو
اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہو گا"

"آخر ان لوگوں نے مینیجر شومان خان کو اس طرح کیوں قتل
نہ کر دیا کہ کوئی سراغ تک نہ ملتا — عمارت کے کمرے میں تو تین
چار ایسی چیزیں مل گئی ہیں جو قاتل کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی
ہیں"

"یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی — ابھی تک اس بات

کا کوئی جواب میری سمجھ میں نہیں آیا، یہ سوال ہم فوق قدوسی سے کریں گے — دوسرے ہمیں طمانڈے خان سے بھی بہت سی باتیں معلوم کرنا پڑیں گی۔"

عین اسی وقت کھچ کی آواز نے انہیں لرزا دیا۔ خنجر ان دونوں کے درمیان سے نکل گیا تھا اور چٹان سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا تھا — دونوں فوراً چٹان پر لیٹ گئے —

"آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، ہمیں گھیر لیا گیا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی —

"تو کیا حملہ آور ایک سے زائد ہیں؟" خان رحمان نے قدرے بوکھلا کر کہا —

"میرا خیال یہی ہے —"

"تب تو ہمارا بچنا بہت مشکل ہے۔" خان رحمان بولے۔

"یہ نہیں کہا جا سکتا انکل، اب ہمارے پاس بھی دو خنجر ہیں۔" فرزانہ نے پُرحوصلہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، ٹھیک ہے — واقعی میرا خیال غلط تھا، ہمارے پاس بے شک دو خنجر نہ ہوں، تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا — زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ ہے — کیا تم اندازہ لگا سکی ہو کہ حملہ آور کتنے ہیں؟"

"جی نہیں، لیکن ایک سے ضرور زیادہ ہیں۔"

"خیر، اچھی بات ہے کہ ہم اونچائی پر ہیں — یہاں سے ہم انہیں جلد یا بدیر دیکھ ہی لیں گے — اب ہمیں پتھروں سے کام لینا پڑے گا۔" خان رحمان بولے۔

انہوں نے سینے کے بل لیٹے لیٹے ہی پتھر جمع کرنے شروع کر دیے — جب کافی پتھر جمع ہو گئے تو ایک ایک پتھر ہاتھ میں لے کر تیار بیٹھ گئے کہ کب کوئی خنجر آئے اور وہ اس طرف پتھر پھینکیں، پھر کافی دیر گزر گئی، لیکن دشمن کی طرف سے کوئی خنجر نہیں پھینکا گیا —

"کیا وہ لوگ جا چکے ہیں؟" خان رحمان بڑبڑائے —

"کچھ کہا نہیں جا سکتا — کیوں نہ ہم عمارت کی طرف رینگنے کی کوشش کریں۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی —

"اس طرح ہمیں اپنا پتھروں کا ذخیرہ یہیں چھوڑنا پڑے گا۔"

"لیکن انکل ہم اس طرح یہاں کب تک پڑے رہیں گے۔ ادھر محمود اور فاروق عمارت میں واپس پہنچ جائیں گے — اور ہمیں وہاں نہ پا کر حیران ہوں گے، کہیں وہ ہماری تلاش میں ادھر نہ نکل آئیں۔"

"اوہ ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تو پھر آئیے۔ عمارت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

جونہی وہ اٹھے، ایک ساتھ تین خنجر سنسناتے ہوئے ان کی

طرف آئے — خان رحمان کے منہ سے تیز سسکی نکل گئی — فرزانہ اوندھے منہ گری تھی — اس کا سر پتھر سے ٹکرایا — اسے اپنا سر گھومتا محسوس ہوا — چند لمحوں تک تمام پہاڑیاں گھومتی رہیں، پھر رکتی محسوس ہوئیں اور فرزانہ نے اپنے ہوش و حواس واپس آتے محسوس کیے — اس نے فکر مندانہ انداز میں سرگوشی کی —

"انکل، آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"ہاں، خنجر شاید میرے بازو میں لگا ہے۔"

"اوہ۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا — صحیح معنوں میں اب وہ مشکل حالات میں گھر گئے تھے — وہ تیزی سے رینگ کر خان رحمان کے نزدیک ہو گئی — خنجر خان رحمان کے بازو میں ترازو ہو گیا تھا۔ اس نے خنجر کا دستہ پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر اپنے اور خان رحمان کے رومال کو تہہ کر کے ان کے بازو پر جکڑ کر باندھ دیا —

"انکل، آپ ہوش میں تو ہیں۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا —

خان رحمان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا — اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئے تھے — فرزانہ نے اپنا دل ڈوبتا محسوس کیا — دوپہر کا وقت ہو چلا تھا۔ پہاڑیاں دور دور تک سنسان تھیں — آس پاس کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہڑتال کی وجہ سے کوئی مزدور بھی کام پر نہیں آیا تھا؛ ورنہ اس وقت یہاں

مزدور ہی مزدور ہوتے — اور اس خیال کے آتے ہی فرزانہ کو اس سوال کا جواب مل گیا — کہ ہلاک کرنے والوں نے مینیجر شومان خان کو اسی طرح پہاڑیوں میں گھیر کر کیوں ہلاک نہیں کر دیا تھا اس سوال کا جواب اب اس کی سمجھ میں — آیا تھا کہ شومان خان کے قتل کی واردات سے پہلے تو سب مزدور کام پر تھے، یہاں چہل پہل رہی ہو گی۔ ان سب لوگوں کی موجودگی میں چٹانوں کے درمیان شومان خان کو کس طرح قتل کیا جا سکتا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت عمارت کے آس پاس کوئی نہیں تھا جب شومان خان کو قتل کیا گیا — یہ بات بھی ٹانڈے خان سے پوچھنا ضروری تھی، لیکن اس وقت تو مسئلہ تھا صرف خان رحمان کی اور اپنی زندگی بچانے کا۔ جب کہ خان رحمان زخمی ہو چکے تھے اور بے ہوش پڑے تھے۔ فرزانہ کے پاس اب تین خنجر تھے — اس کا خون رہ رہ کر جوش مار رہا تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور آخر اسے وہ چٹان نظر آ گئی جس کے پیچھے سے خنجر چلائے گئے تھے۔ آس پاس اس سے زیادہ محفوظ چٹان اور کوئی نہیں تھی۔ اس لیے اسے فوراً ہی یقین ہو گیا کہ حملہ آور ضرور اسی چٹان کی اوٹ میں ہیں، لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ اس چٹان کے پیچھے صرف ایک دشمن ہو اور باقی کہیں اور چھپے ہوں —

اس نے چند لمحے کے لیے سوچا، یہی جی میں آئی کہ یہاں لیٹے

رہنے کی بجائے کچھ کر گزرنا بہتر رہے گا؛ چنانچہ اس نے تینوں خنجر
بائیں ہاتھ میں سنبھالے، دل ہی دل میں خدا حافظ انکل کہا اور پھر
چٹان سے نیچے کُود گئی — نچلی سطح کا جائزہ وہ پہلے ہی لے چکی تھی۔
ادھر وہ کُودی۔ ادھر تین خنجر پھر اس کی طرف آئے اور سر پر سے
گزر گئے —

فرزانہ کانپ کر رہ گئی۔ اگر ایک لمحہ پہلے خنجر پھینکے گئے ہوتے
تو فضا میں ہی تینوں کے تینوں خنجر اس کے جسم میں اُتر گئے تھے۔
اسی وقت بائیں سمت ایک چھوٹی سی چٹان کے پیچھے اس نے کپڑوں
کی سرسراہٹ سُنی — یہ اسی کے کان تھے جنھوں نے سرسراہٹ سُن لی۔
ورنہ آواز بہت ہلکی تھی — عین اسی وقت وہ زور سے چونکی —

دو نقاب پوش

عمارت کے کمرے میں انہیں نہ خان رحمان نظر آئے، نہ فرزانہ؛
البتہ ایک پتھر ضرور فرش پر پڑا تھا — ایک کرسی الٹی پڑی تھی۔ اس
کے علاوہ کمرے میں ایک شخص کرسی پر دروازے کی طرف منہ کیے
بیٹھا تھا — اس کے سر پر ہیٹ تھا اور آنکھوں پر بڑے بڑے شیشوں
والی عینک — انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونک اٹھا —

"خدا کا شکر ہے، کسی کی صورت تو نظر آئی — میں حیران تھا کہ
فوق قدوسی صاحب کی اطلاع غلط کس طرح ہو سکتی ہے۔"

"آپ کون ہیں؟ ہم تھوڑی دیر پہلے اپنے انکل کو یہاں چھوڑ
کر گئے تھے — پھر ہماری بہن بھی یہیں آ گئی تھی — وہ دونوں کہاں
گئے — کیا آپ بتا سکتے ہیں؟" فاروق پریشانی کے عالم میں کہتا
چلا گیا —

"آپ نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے — خیر، میرا نام خبد جبوہ
ہے — میرا نام آپ کو ذرا عجیب لگے گا — لیکن چونکہ میری ماں عربی تھی،

اس لیے اس نے میرا نام بھی عربی رکھا تھا۔ مجھے بھی اپنی ماں کا رکھا ہوا نام پسند ہے۔۔۔ میں ابھی ابھی یہاں آیا ہوں۔ میں جب اندر داخل ہوا تو یہاں کوئی نہیں تھا۔۔۔ یہ کرسی اسی طرح الٹی پڑی تھی اور یہ پتھر بھی اسی جگہ پڑا تھا۔۔۔ میں نے ان دونوں چیزوں کو چھوا تک نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں، اس مکان میں ایک قتل کی واردات ہو چکی ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"گویا آپ نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا؟" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"اور یہ کیا کہا آپ نے، فوق قدوسی صاحب کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں، وہ ابھی ابھی مجھے راستے میں ملے تھے۔ انہوں نے آپ لوگوں کے بارے میں بتایا تھا کہ آپ عمارت میں موجود ہیں۔"

"ان کی یہ اطلاع تو واقعی غلط نہیں تھی، ہمیں اچانک ہی یہاں سے جانا پڑا۔۔۔ لیکن ہم اپنے انکل کو یہیں چھوڑ گئے تھے، پھر ہماری بہن بھی ہم سے کٹ کر یہاں آ گئی تھی، آپ کہہ رہے ہیں آپ نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا۔۔۔ خیر، پہلے تو آپ فرمائیے، آپ کس لیے تشریف لائے ہیں۔"

"مجھے یہاں قتل کی واردات سے لے کر ٹانڈے خان کے دارالحکومت تک جانے کا سارا حال معلوم ہے۔۔۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا

کہ خان رحمان آج ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔۔۔ اس وقت میں اپنے گھر سے نکل رہا تھا کہ میں نے عمارت کی طرف سے سب انسپکٹر صاحب کو آتے دیکھا۔۔۔ میں نے ان سے خان رحمان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اور ان کے بچے پہنچ چکے ہیں اور وہ عمارت میں موجود ہیں، چنانچہ ادھر چلا آیا۔۔۔ دراصل میں کانوں کا بیوپاری ہوں۔۔۔ اگر کسی کان کے بارے میں گڑبڑ ہو جائے اور اس کا مالک اس کان کی وجہ سے پریشان ہو جائے تو میں فوراً اس کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔۔۔ اور اس سے یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ کان کو اپنے لیے مصیبت خیال کرتے ہوں تو میں اسے خریدنے کے لیے تیار ہوں۔۔۔ اب یہ اس کی مرضی۔"

"گویا آپ کانیں خریدنے آئے ہیں۔۔۔ لیکن ذرا یہ تو سوچیے کہ جس کان سے تانبا نکل رہا ہے۔ وہ کان آپ کے ہاتھ کس طرح فروخت کی جا سکتی ہے۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"فروخت نہ کر کے بھی آپ کیا فائدہ اٹھا لیں گے۔ کوئی شخص بھی اب ان کانوں کے لیے کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

"لیکن اگر قاتل پکڑا جائے تو کیا اس صورت میں بھی مزدور کام نہیں کریں گے؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں، اس صورت میں وہ کام ضرور کریں گے۔ لیکن اگر یہ قتل کان کے سلسلے میں ہوا ہے تو انہیں رضامند کرنا بہت مشکل کام

ہوگا۔" عبدصبور نے کہا۔

"ہوں، آپ صرف تانبے والی کان خریدیں گے یا تینوں کانیں؟"

فاروق نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مسٹر خان رحمان اگر تینوں کانیں فروخت کرنا پسند کریں گے تو تینوں خرید لوں گا اور اگر وہ تانبے والی کان فروخت کرنا پسند کریں تو یہ ان کی مرضی، میں تیار ہوں۔"

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس کان کو فروخت کردیں، جس سے انہیں منافع شروع ہو چکا ہے اور ان دو کانوں کو فروخت نہ کریں، جن میں سے اب تک ایک روپے کی چیز بھی نہیں نکلی۔" محمود بولا۔

"میں نے تو کہا ہے کہ تینوں کانیں خریدنے کے لیے تیار ہوں۔"

"خیر، اب یہ تو ان کے آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔ ویسے کیا آپ ایک سوال کا جواب دیں گے؟" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"پوچھیے۔" اس نے آگے جھک کر کہا۔

"کیا آپ ایسے ہر آدمی کی کانیں خریدنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی کانوں میں کام کرنے والوں میں سے کوئی قتل ہو جائے یا حادثے کا شکار ہو جائے؟"

"ہاں، میرا کاروبار یہی ہے۔" عبدصبور نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ آپ ان کانوں کا کیا کرتے ہیں۔ مزدور تو ان پر کام کرنے پر آمادہ ہوتے نہیں ہوں گے۔"

"میرے پاس اپنے آدمی ہیں۔ میں نے انہیں مستقل طور پر ملازم رکھا ہوا ہے، کام ہو یا نہ ہو، میں انہیں تنخواہیں دیتا رہتا ہوں؛ لہذا جب میں کوئی اس قسم کی کان خریدتا ہوں تو انہیں اس پر بھی کام کرنا پڑتا ہے، وہ انکار نہیں کر سکتے۔"

"ہوں، یہ بات ہے۔ خیر، آپ تشریف رکھیے۔ ہم دیکھتے ہیں، یہ لوگ کہاں چلے گئے۔" محمود نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

فاروق نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ دونوں باہر نکلے۔ انہوں نے پہاڑیوں کی طرف نظریں دوڑائیں، لیکن چٹانوں سے پٹے پڑے علاقے میں بھلا کیا نظر آتا۔

"کیا خیال ہے، اُلو کی آواز نہ نکالی جائے۔" محمود بولا۔

"ہاں ٹھیک رہے گا۔ فرزانہ جہاں کہیں بھی ہوگی، اپنی موجودگی سے خبردار کر دے گی۔"

محمود نے دونوں ہاتھ منہ کے گرد رکھے اور الو کی آواز حلق سے نکالی۔ اس کی آواز پہاڑیوں میں گونج کر رہ گئی۔ فوراً ہی انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔

⊙

اُلّو کی آواز نے فرزانہ کو چونکا دیا تھا۔۔۔ وہ سوچ میں ڈوب گئی کہ کیا کرے۔ اس بات میں اسے کوئی شک نہیں تھا کہ آواز محمود کے حلق سے نکلی ہے، ورنہ اس پہاڑی علاقے میں اُلّو کہاں۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ محمود نے یہ جاننے کے لیے اُلّو کی آواز حلق سے نکالی ہے کہ وہ ان کی موجودگی سے خبردار ہو جائیں، لیکن مصیبت یہ تھی کہ فرزانہ اس وقت تین دشمنوں کے نرغے میں تھی۔۔۔ اب اگر وہ اُلّو کی آواز حلق سے نکال کر انہیں خبردار کرتی تو وہ سیدھے اس کی طرف آتے اور خود بھی مصیبت میں پھنس جاتے۔۔۔ اس نے چند لمحے کے لیے کچھ سوچا، اور پھر انہیں خبردار نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے ان دونوں کا خیال ذہن سے نکال دیا، اور سینے کے بل اس طرف رینگنے لگی، جس طرف چٹان کے پیچھے اسے کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی تھی۔۔۔ چٹان کافی فاصلے پر تھی، لیکن فرزانہ نے کوئی پروا نہ کی۔۔۔ اسے ہر حال میں اس چٹان کے دوسری طرف پہنچنا تھا، اس صورت میں وہ کم از کم ایک دشمن سے تو چھٹکارا حاصل کر ہی سکتی تھی۔ اس کے بعد دو دشمن رہ جاتے۔۔۔ ان کے بارے میں بعد میں سوچا جا سکتا تھا۔۔۔ چٹان پر سے کودنے کے بعد وہ اب دشمنوں کی نظروں میں نہیں رہی تھی۔۔۔ یہی چیز اسے کشاں کشاں چٹان کی طرف لیے جا

رہی تھی۔۔۔ ساتھ ساتھ وہ راستہ بھی کاٹتی جا رہی تھی تاکہ چٹان کے نزدیک پہنچنے تک اس کے دوسری طرف ہو جائے۔ اُسے محمود اور فاروق کا خیال بھی ستا رہا تھا کہ جواب میں اُلّو کی آواز نہ سُن کر وہ کیا سوچ رہے ہوں گے۔۔۔ نہ جانیں وہ کیا قدم اُٹھا بیٹھیں۔ آخر خدا خدا کر کے وہ چٹان کے دوسری طرف پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔۔۔ ساتھ ہی اس پر مایوسی کا حملہ ہوا، چٹان کی اوٹ میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔۔۔ شاید تینوں حملہ آور ساتھ ساتھ اپنی جگہ بدل رہے تھے۔۔۔ اب اس پر جھنجلاہٹ طاری ہو گئی۔۔۔ اس وقت وہ عجیب حالات کا شکار تھی۔۔۔ خان رحمان زخمی پڑے تھے۔۔۔ وہ خود تین دشمنوں کے گھیرے میں تھی۔۔۔ اور محمود اور فاروق کو مدد کے لیے بھی بُلانے سے معذور تھی۔۔۔ اب وہ کرے تو کیا کرے، تینوں دشمن بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔۔۔ ان میں سے ایک اگر اس چٹان کے پیچھے نظر آیا تھا تو وہ بھی اب یہاں نہیں تھا۔۔۔ اور اس پر قابو پانے کے چکر میں وہ خان رحمان کو دُور چھوڑ آئی تھی۔۔۔ اس خیال نے اسے اور بھی پریشان کر دیا کہ کہیں دشمن خان رحمان تک نہ پہنچ جائیں۔۔۔ وہ چکرا کر رہ گئی۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔

آخر اُسے ایک ترکیب سوجھی۔۔۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے حلق سے اُلّو کی آواز نکالی۔۔۔ لیکن تین بار ٹھہر ٹھہر کر۔۔۔ اس سے

پہلے وہ جواب میں صرف ایک بار اُلو کی آواز نکالتے رہے تھے۔ تین بار آواز نکالنے کے بعد اس نے پھر اس چٹان کا رُخ کیا جس پر خان رحمان کو چھوڑ کر آئی تھی۔

اس بار اس کی رفتار پہلے کی نسبت تیز تھی۔ وہ پہلے کی نسبت جلد چٹان تک پہنچ گئی۔ عین اسی وقت اس کی آنکھوں میں خنجر کی چمک لہرائی — وہ سمجھ گئی کہ کیا ہونے والا ہے، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک خنجر تاک کر اس سمت میں پھینکا جس سمت میں چمک نظر آئی تھی — دوسرے ہی لمحے پہاڑیوں میں ایک چیخ گونج اُٹھی — اس کے ساتھ ہی فرزانہ نے ہر خطرے کی پروا کیے بغیر اسی طرف دوڑ لگا دی، ایک ساتھ دو خنجر اس کے سر پر سے گزرے، ان کی سنسناہٹ نے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ صاف ظاہر تھا کہ اب وہ ان کی نظروں میں تھی۔ اس پر بھی نہ اُس نے رُکنے کی کوشش کی اور نہ پلٹنے کی، بس دوڑتی چلی گئی، کیونکہ خان رحمان خطرے میں تھے۔ جس شخص کے خنجر لگا تھا، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس حد تک زخمی ہوا ہوگا اور یہ کہ وہ خان رحمان پر حملہ کرنے کے قابل رہ گیا ہے یا نہیں، یہی وجہ تھی کہ فرزانہ جلد از جلد وہاں پہنچ جانا چاہتی تھی — اسے یہ بھی حیرت تھی کہ خنجر پھینکنے والے اس کے سامنے بالکل نہیں آ رہے تھے — اور پھر وہ اس چٹان تک پہنچ گئی — دن کی روشنی میں یہ سب

کچھ ہو رہا تھا اور کوئی دیکھنے والا نہیں تھا — کوئی ٹوکنے والا نہیں تھا۔ اس نے دیکھا، خان رحمان پر حملہ کرنے والا اب تک تڑپ رہا تھا — خنجر اس کی کمر میں ریڑھ کی ہڈی کے پاس لگا تھا۔ وہ اوندھے منہ گرا تھا اور اسی حالت میں ہاتھ پیر مار رہا تھا، اس کے چہرے پر ایک نقاب تھا — خان رحمان ابھی تک بے ہوش پڑے تھے — حملہ آور ان سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھے اور اگر وہ بہتر حالت میں ہوتا تو شاید اس وقت تک خان رحمان کے جسم میں خنجر اتار چکا تھا۔ فرزانہ نے ایک پتھر اٹھا کر زخمی کے سر پر دے مارا — وہ ایک دم ساکت ہو گیا — اسی وقت اس نے اپنے پیچھے آہٹ سُنی، وہ بوکھلا کر مُڑی — اس نے دیکھا، دو نقاب پوش اس کے عین پیچھے پہنچ چکے تھے — ان دونوں کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ خنجر دھوپ میں چمک رہے تھے اور ان کی چمک آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی تھی —

"تم نے ہمارے دو ساتھی بے کار کر دیے ہیں اور یہ پہلی بار ہوا ہے؛ ورنہ ان پہاڑیوں میں تو ہم کسی کی دال نہیں گلنے دیتے۔" ان میں سے ایک نے سرد آواز میں کہا —

"لیکن تم ۔ کون سا نیک کام کرتے پھر رہے ہو، تم نے بھی تو ہمارے ایک ساتھی کو ختم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، آخر ہم لوگوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" فرزانہ نے دھک دھک کرتے

دل کے ساتھ کہا۔

وہ کوشش کر رہی تھی کہ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر نہ آئیں۔

"تمہارے ساتھی کی وجہ سے ہمارا ایک بھائی ہلاک کر دیا گیا ہے۔ ہم اس کا انتقام لیے بغیر نہیں رہیں گے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"تمہارا اشارہ کس کی طرف ہے؟ کیا شومان خان کی طرف؟"

"ہاں۔" وہ بولا۔

"اسے ہم نے نہیں، یہیں کے کسی رہنے والے نے ہلاک کیا ہے۔ تو تم شومان خان کے دوستوں میں سے ہو۔"

"ہاں، وہ ہمارا بہت پرانا دوست تھا۔"

"تب پھر اس کے قاتل کو تلاش کرو۔ ہمارے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"پہلے تم لوگوں کا بندوبست کریں گے۔"

یہ کہہ کر ان دونوں نے ایک ساتھ خنجروں والے ہاتھ آگے پھیلائے اور فرزانہ کی طرف بڑھنے لگے۔

فرزانہ کے بدن میں خوف کی پھریری دوڑ گئی۔ اگر یہ کھلا میدان ہوتا تو فرزانہ کے لیے بھاگ دوڑ کر بچاؤ کرنا ناممکن نہیں تھا، لیکن اس وقت تو وہ ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں سے آگے پیچھے

ہونے میں بھی خطرہ تھا۔ اس بات کا خطرہ کہ کسی کھائی میں نہ جا گرے۔

دونوں نقاب پوشوں کا اٹھنے والا ہر قدم انہیں فرزانہ کے نزدیک لا رہا تھا اور وہ بت بنی کھڑی تھی۔

"اوہ" ان دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — دل ہی دل میں انہیں ہنسی بھی آئی — ایسی باتوں پر وہ کان نہیں دھرا کرتے تھے —

"جی ہاں۔ اس آواز کو سننے کے بعد میں کم از کم آج کی تاریخ میں کوئی کان نہیں خریدوں گا — خدا حافظ۔ اب میں چلتا ہوں" یہ کہتے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا — دونوں اُسے دیکھتے ہی رہ گئے —

"عجیب آدمی ہے یہ بھی" فاروق بڑبڑایا۔

"اُس کی بجائے فرزانہ کے بارے میں غور کرو۔ آخر اُس نے ہماری آواز کا جواب کیوں نہیں دیا" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"غور کر چکا ہوں — فرزانہ کہیں مصروف ہو گی اور اسے جواب دینے کا موقع نہیں ملا ہو گا" فاروق بولا۔

"یہی تو میں کہتا ہوں کہ آخر وہ کہاں ہے۔ اسے جواب دینے کا موقع کیوں نہیں ملا"

"کہتے ہو تو کہتے رہو — تمہیں روک کون رہا ہے؟"

"دھت تیرے کی — شروع ہو گیا مذاق، یہ تو سوچو کہ ہم کن حالات میں گھرے ہوئے ہیں" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے — معلوم ہی ہے جن حالات میں گھرے ہوئے ہیں"

آواز کا تیسرا حصّہ

دوڑتے قدموں کی آواز عمارت سے آئی تھی — انہوں نے مڑ کر دیکھا تو عبدالصبور بوکھلائے ہوئے انداز میں دوڑتا چلا آ رہا تھا —

"یہ — یہ آواز سنی تھی آپ لوگوں نے، اُلّو کی آواز؟" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا —

"جی ہاں، سُنی تھی — کیوں کیا بات ہے" محمود نے اسے گھور کر دیکھا، ادھر وہ اور فاروق فکرمند تھے — کیونکہ فرزانہ نے ان کی آواز کا جواب نہیں دیا تھا — اس کے صرف دو ہی مطلب ہو سکتے تھے — یا تو وہ کسی مصیبت میں ہے یا اس وادی میں نہیں ہے۔ دونوں ہی صورتیں ان کے لیے پریشان کن تھیں —

"اُلّو کی آواز اس وادی میں برسوں بعد ہی کبھی سُننے میں آتی ہے — لیکن جب بھی سننے میں آئی، وادی پر کوئی نہ کوئی آفت ضرور ٹوٹی" اس نے بتایا —

"اچھا کان نہ کھاؤ — میں ان پہاڑیوں میں انکل اور فرزانہ کو تلاش کرنے جا رہا ہوں، تم یہیں ٹھہرو۔ اگر وہ دونوں لوٹ آئیں تو اُلو کی چیکتی ہوئی آواز نکالنا۔"

"الو کی آواز اور چیکتی ہوئی — جواب نہیں ہے تمہارا۔" فاروق چہکا —

"بناتے رہو باتیں، پھر سُنتے رہیں گے غور سے۔" محمود نے کہا اور آگے بڑھا، لیکن ابھی ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ اُلو کی آواز کان سے ٹکرائی — اس کے اٹھتے قدم رُک گئے۔ ساتھ ہی آواز بھی رُک گئی —

"یہ کیا ہوا؟ فرزانہ نے آواز درمیان میں کیوں توڑ دی۔" محمود بڑبڑایا —

"توڑنے کے لیے کچھ اور نہیں ملا ہوگا۔" فاروق بولا۔ محمود نے اسے گھور کر دیکھا — اُسی وقت فرزانہ کی آواز پھر سُنائی دی۔ اس بار بھی آواز مختصر تھی — فوراً ہی دم توڑ گئی —

"یہ فرزانہ کو آج ہوا کیا ہے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"کچھ نہیں، اس کے گلے میں کوئی تکلیف ہوگئی ہوگی۔" فاروق نے منہ بنایا —

"نہیں، ضرور کوئی خاص بات ہے — پہلے تو فرزانہ نے کوئی جواب ہی نہیں دیا — دیا تو اس حالت میں کہ آواز کو دو

حصوں میں تقسیم ......"

محمود کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت فرزانہ کی آواز تیسری بار سنائی دی تھی — محمود چونک اٹھا۔ فاروق نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولا:

"لو، آواز کا تیسرا حصہ ملاحظہ فرماؤ — ابھی تو وہ نہ جانے آواز کے کتنے حصے کرے گی — وہ ضرور ہم سے شرارت کرنے کے موڈ میں ہے۔"

"ہرگز نہیں، وہ کسی شدید خطرے میں ہے — شاید اس کے ساتھ انکل خان رحمان بھی خطرے میں ہیں۔ تین مرتبہ آواز نکالنے سے شاید وہ ہمیں یہ اشارہ دینا چاہتی ہے کہ احتیاط کرتے ہوئے میری طرف آؤ۔"

"ہوں، ضرور یہی بات ہے۔" فاروق نے بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا —

"تو پھر آؤ، ہم چٹانوں کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھیں۔ آواز کی سمت کا اندازہ تو ہم لگا ہی چکے ہیں۔" محمود نے کہا اور آگے بڑھا — فاروق بھی اب چوکڑیاں بھول چکا تھا۔ چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لیا —

"یار، ہم سے ایک غلطی ہوئی۔" چلتے چلتے محمود نے کہا۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک غلطی ہوئی؛ ورنہ زیادہ بھی

تو ہو سکتی تھیں۔" فاروق نے بجھے دل سے کہا۔

"پھر تم بات کو مذاق میں لے گئے۔ سُنو، ہمیں چاہیے تھا کہ عبدصبور سے کہہ دیتے، یہ اصل اُلّو کی آواز نہیں ہے، بلکہ نقلی اُلّو کی ہے۔"

"وہ یقین نہ کرتا۔" فاروق بولا۔

"تو ہم دوبارہ حلق سے اُلّو کی آواز نکال کر سُنا دیتے۔" محمود نے جواب میں کہا۔

"لیکن اسے یہ بات بتانے کا فائدہ کیا تھا؟"

"دیکھتے تو سہی، وہ انکل کی کانوں کے کتنے دام لگاتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں، وہ بہت تھوڑے دام لگاتا۔ اس کا کاروبار یہی ہے۔ جھگڑے والی کانوں کو اونے پونے خرید کر اپنے آدمی ان پر لگا دیتا۔" فاروق نے کہا۔

"ابھی تک یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ انکل خان رحمان نے یہاں تین کانیں خریدیں، ان پر مزدور لگا دیے۔ مزدوروں پر ایک سپروائزر مقرر کیا۔ ایک مینجر بھی رکھا، سپروائزر اپنے کام کی رپورٹ مینجر کو دیا کرتا تھا۔ ایک کان سے تانبا نکل آیا۔ تانبا حکومت کو فروخت کیا جا رہا تھا۔ کاروبار منافع میں چل رہا تھا۔ ابھی بقیہ دو کانوں سے کچھ نہیں نکلا تھا۔ انکل خان رحمان نے اپنے مینجر کو لکھا کہ دونوں کانوں کا جائزہ کسی ماہر سے کرائے۔ اُس نے ایک ماہر رابرٹ کینیڈی سے معائنہ کرایا۔ اُس نے بتایا کہ ان میں فی الحال کوئی دھات ملنے کا امکان نہیں۔ پھر شومان خان کو کسی نے قتل کر دیا۔ عمارت میں سے اس کی لاش کے پاس سے ایک نظر کی عینک، ایک آلہ اور ایک بیگ ملا۔ بیگ میں دو خالی بوتلیں تھیں۔ ان کی تہہ میں خون جما ہوا تھا۔ ٹامنڈے خان قتل کی خبر انکل کو دینے دارالحکومت دوڑا گیا۔ اسے اس بات نے بوکھلا دیا تھا، کیونکہ مزدوروں نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ خیر ہم لوگ یہاں آ گئے۔ یہاں پہلے ہماری ملاقات سب انسپکٹر فوق قدوسی سے ہوئی اور یہ بات معلوم ہوئی کہ اس بستی میں شومان خان کا دشمن خود فوق قدوسی تھا۔ فوق قدوسی کے جانے کے بعد ہم نے چیخ کی آواز سُنی۔ ہم آواز کی سمت میں دوڑے۔ لیکن فرزانہ کو شک گزرا کہ کسی نے ہمیں جال میں پھانسنے کی کوشش کی ہے؛ چنانچہ وہ راستے میں سے ہی واپس مڑ گئی۔ ادھر ہم آواز کی سمت میں آگے بڑھتے چلے گئے اور ایک شخص کی لاش کو چٹان پر پڑے پایا۔ واپس لوٹے تو انکل خان رحمان اور فرزانہ نہیں تھے۔ کمرے میں گڑبڑ کے آثار نظر آئے اور مسٹر عبدصبور بیٹھے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ جب وہ یہاں پہنچے تو عمارت میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ہم ان سے باتیں کرنے لگ گئے۔ پھر باہر نکل کر فرزانہ کی موجودگی معلوم کرنے کے لیے حلق سے اُلّو کی آواز نکالی۔ جس کا فرزانہ نے تو کوئی جواب نہ

دیا؛ البتہ عبدصبور صاحب اس آواز کو سن کر گھبرا گئے — اور واپس چلے گئے — اب فرزانہ کی آواز تین حصوں میں سنائی دی ہے اور ہم اس آواز کی سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ ہے کل حالات کا مختصر ترین جائزہ — سوال یہ ہے کہ اس وقت ہم کہاں کھڑے ہیں۔" یہاں تک کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔

"اگر ہم کھڑے ہیں تو پھر چلنا کس کو کہتے ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا —

"سنو، مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے، ہم کسی زبردست جال میں پھنس گئے ہیں — ہم نے ابا جان کے بغیر یہاں آکر بہت غلطی کی ہے — یہ بہت خطرناک لوگوں کا علاقہ ہے۔" محمود نے سرسراہٹ زدہ لہجے میں کہا —

"اب تو پھنس چکے ہیں، کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"ہم — ہم ابا جان کو بلا بھی سکتے ہیں۔"

"اب فرزانہ اور انکل خان رحمان کو ڈھونڈنے کے بعد ہی اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔"

"ہوں، تم ٹھیک کہتے ہو۔"

وہ اب کافی فاصلے پر آ گئے تھے۔ اچانک انہوں نے ایک بھیانک چیخ کی آواز سنی — ان کے کان کھڑے ہو گئے — انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر محمود ایک اونچی چٹان پر چڑھنے لگا۔

فرزانہ اور خان رحمان کو ڈھونڈنے کی اب اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں رہی تھی —

دونوں چٹان کے اوپر والے حصے پر پہنچے اور آواز کی سمت میں نظریں دوڑائیں — ایک جگہ انہیں فرزانہ کھڑی نظر آ گئی — اس کے سامنے دو نقاب پوش بھی کھڑے نظر آئے — انہوں نے نقاب پوشوں کے ہاتھوں میں خنجر بھی دیکھے اور پھر نقاب پوش فرزانہ کی طرف بڑھے —

"فاروق، فرزانہ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"ہاں، آؤ جلدی کرو — ایسا نہ ہو، ہمیں دیر ہو جائے اور ہم ساری زندگی روتے رہ جائیں۔"

دونوں لمبی لمبی چھلانگیں لگانے لگے —

⊙

اچانک فرزانہ نے ایک چھلانگ لگائی اور چٹان سے نیچے کود گئی۔ شاید دونوں حملہ آوروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی اونچی چھلانگ بھی لگا سکتی ہے — وہ جھلا کر پلٹے، ساتھ ہی دو پتھر تیر کی طرح ان کی طرف آئے — انہوں نے خود کو ان پتھروں سے بچا لیا، کیونکہ وہ عین اس وقت مڑے تھے جب پتھر پھینکے گئے۔

اگر انہیں مُڑنے میں ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو پتھر ان کے سروں پر پڑے ہوتے۔

"یہ بیک وقت دو پتھر کہاں سے آئے۔ اس لڑکی سے تو یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ نیچے چھلانگ لگاتے ہی دو پتھر اُٹھا کر دے مارے گی۔" ایک نقاب پوش نے کہا۔

"امید تو ہمیں اس کی بھی نہیں تھی۔ کہ وہ اس طرح چھلانگ لگا دے گی۔" دوسرے نے کہا۔

پتھروں سے بچنے کے لیے وہ اوٹ میں ہو گئے تھے۔ فرزانہ نے بھی ان کی طرف پتھر جاتے ہوئے دیکھ لیے تھے اور وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ ضرور یہ فاروق اور محمود کا کام ہے، لیکن ابھی خان رحمان بدستور خطرے میں تھے۔ اور دونوں نقاب پوش ان کی نسبت خان رحمان سے زیادہ نزدیک تھے۔ نقاب پوش اب اسے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ورنہ وہ ان پر ضرور خنجر پھینک مارتی۔ اسی وقت حملہ آوروں کو خان رحمان کا خیال آیا۔

"ہم بھی کتنے بے وقوف ہیں، پہلے اصل شکار کو تو ٹھکانے لگانا چاہیے۔" ایک نے کہا۔ دونوں خان رحمان کی طرف مُڑے اور اسی وقت دو پتھر ان کے سروں سے ٹکرائے۔

"آ جاؤ فرزانہ، ہم نے انہیں گرا لیا ہے۔" فاروق کی چہکتی آواز فرزانہ کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چٹان کی اوٹ سے

نکل کر ان کی طرف بڑھنے لگی۔ تینوں خان رحمان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ آخر چند منٹ کی کوشش کے بعد اُنہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ انہیں سہارا دیے عمارت تک لائے۔ خان رحمان کو سارے حالات سنائے گئے۔ وہ سکتے میں آ گئے۔ آخر کچھ دیر بعد وہ بولے:

"گویا تم لوگ مجھے موت کے منہ سے نکال لاتے ہو۔"

"بلکہ ہم خود بھی موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں انکل۔"

اب یہ طے پایا کہ ان میں سے دو خان رحمان کے پاس ٹھہریں اور ایک پولیس چوکی جا کر فوق قدوسی کو بلا لائے۔

"ٹھیک ہے، میں جاتا ہوں، تم دونوں انکل کے پاس ٹھہرو۔" محمود نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی دیکھ لو، اگر تمہیں ڈر لگ رہا ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔" فاروق بول پڑا۔

"اوہو، آج تم نے اپنے منہ میں کس کی زبان فٹ کر لی ہے۔ کیونکہ تمہاری زبان سے تو ایسے لفظ کبھی سننے میں آئے نہیں۔"

"ارے بھول گئے۔ تم سے ہی تو ادھار مانگی تھی پرسوں۔" فاروق بولا۔

"مجھے ڈر ہے، اگر میں یہاں رُک گیا تو فاروق کی باتیں مجھے

الجھا لیں گی — لہٰذا بہتر یہی ہے کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤں" یہ کہہ کر وہ چھلانگ مار کر باہر نکل گیا اور وہ مسکراتے ہی رہ گئے —

"ہمیں عمارت کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کر لینی چاہییں، کیونکہ خطرہ ابھی تک ہمارے سروں پر موجود ہے" فاروق نے محمود کے جانے کے بعد کہا —

"پھر تو تم نے محمود کو بھی خطرے میں دھکیل دیا ہے" خان رحمان بولے —

"اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا — فوق قدوسی اور اس کے ماتحتوں کو بلائے بغیر کام نہیں چل رہا تھا — اس سے پہلے تو یہ ایک خیال ہی تھا کہ انکل خان رحمان اور ہم خطرے میں ہیں، لیکن اب تو یقین سے یہ بات کہی جا سکتی ہے؛ گویا فوق قدوسی کا اندازہ بالکل درست تھا"

"ہاں، آخر وہ دن رات اسی علاقے میں رہتا ہے — یہاں کے حالات کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے" فرزانہ نے کہا۔

فاروق نے اٹھ کر کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اب خطرے سے باہر ہو چکے تھے۔ خطرہ تو جوں کا توں سر پر موجود تھا اور دیکھا جائے تو اس وقت وہ پہاڑوں سے گھری اس وادی میں بالکل تنہا تھے — قانون کی مدد بھی انہیں حاصل نہیں تھی — فوق قدوسی سے بھی یہ غلطی ہوئی

تھی کہ اس نے ان کی حفاظت کے لیے چند کانسٹیبل وہاں نہیں چھوڑے تھے — فاروق اور فرزانہ حفاظتی انتظامات میں لگے رہے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے عمارت کی چھت کا جائزہ بھی لیا — چھت پر بہت سے پتھر موجود تھے — وہ انہوں نے عمارت کے سامنے اور پیچھے کی طرف منڈیر کے قریب جمع کر لیے — فاروق نے چھت پر ٹھہر کر ہی پہرہ دینے کا فیصلہ کر لیا — فرزانہ نیچے خان رحمان کے پاس چلی گئی — لیکن ان کے سب اندیشے اور انتظامات بے بنیاد گئے — کسی اور حملہ آور نے عمارت کا رخ نہیں کیا — یہاں تک کہ محمود مدد لے کر آ گیا —

فوق قدوسی اپنے ساتھ نہ صرف پولیس کی اچھی بھلی تعداد لے کر آیا تھا بلکہ دوسرا عملہ بھی ساتھ تھا — ان میں ڈاکٹر بھی تھا جس نے فوری طور پر خان رحمان کی مرہم پٹی کر دی — اس کے بعد کچھ کانسٹیبلوں کو عمارت میں چھوڑ کر فوق قدوسی ان کے ساتھ پہلے تو اس لاش کی طرف روانہ ہوا جو محمود اور فاروق کو چیخ کی سمت میں ملی تھی — لاش پر نظر پڑتے ہی فوق قدوسی نے کہا:

"یہ تو کوئی مزدور ہے، ہو سکتا ہے، یہ آپ لوگوں کی کانوں میں سے کسی ایک پر کام کرنے والا ہو"

اس کے بعد لاش کی تصویریں لی گئیں۔ آخر اسے سٹریچر پر

ڈال کر عمارت تک لایا گیا۔" پھر یہ لوگ اس چٹان کی طرف روانہ
ہوئے جس پر معرکہ ہوا تھا، لیکن یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی
کہ وہاں نہ اب کوئی زخمی آدمی موجود تھا، نہ کوئی لاش۔ اس
نقاب پوش کی لاش بھی غائب تھی جس نے خان رحمان پر حملہ
کیا تھا اور بعد میں بھاگ نکلا تھا؛ البتہ چٹان پر تازہ خون ضرور
پھیلا ہوا تھا، جس سے محمود، فاروق اور فرزانہ کے بیانات کی تصدیق
ہوتی تھی۔

"اس کا مطلب ہے، وہ لوگ اپنے زخمیوں اور لاش کو اٹھا
لے گئے۔" فوق قدوسی بڑبڑایا۔

"لیکن جناب، پھر انہوں نے اس مزدور کی لاش کو کیوں چھوڑ
دیا۔" فاروق نے سوال کیا۔

"یہ ان کا ساتھی نہیں ہوگا۔ اُن کے ساتھی تو نقاب میں
تھے۔ ان کے پولیس کے قبضے میں آنے سے انہیں نقصان پہنچنے
کا خطرہ ہوگا۔ اس لیے انہوں نے انہیں وہاں سے غائب کر دیا۔"
فوق قدوسی نے کہا۔

"ہاں، ضرور یہی بات ہے، لیکن اگر ہم انہیں تلاش کرنے
کی کوشش کریں تو ان کی تلاش ناممکن نہیں، کیونکہ خون کے
دھبے ہماری رہنمائی کریں گے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ ان میں سے دو زخمی ہیں اور تیسری لاش

ہے۔ تینوں کے جسموں سے خون گرتا گیا ہوگا۔ محمود بولا۔

"بات ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" یہ کہہ کر
فوق نے کانسٹیبلوں کو ہدایات دیں اور خود ان کے ساتھ خون کے
دھبے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ اس کے کانسٹیبل بھی ادھر ادھر
پھیل کر یہ کام کرنے لگے۔

جس چٹان پر محمود، فاروق اور فرزانہ نے دشمنوں کو زخمی کیا
تھا اس کے جنوب میں خون کے دھبے دور تک چلے گئے تھے۔
انہوں نے ان دھبوں کے ساتھ ساتھ اپنا سفر شروع کیا، لیکن
ایک فرلانگ بعد ہی دھبے غائب ہو گئے۔ انہوں نے دائیں بائیں
بھی دھبوں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔
وہ مایوس ہونے لگے۔ فوق قدوسی کے چہرے سے تو اکتاہٹ ظاہر
ہونے لگی۔

"میرا خیال ہے، اس جگہ سے تو انہوں نے خون کے قطرے
نہ ٹپکنے کا تو انتظام کر لیا ہوگا، تاکہ ہم ان کا سراغ نہ لگا سکیں۔"
اُس نے کہا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم
تلاش کا سلسلہ بند کر دیں۔ اگر ہم خون کے دھبے تلاش کر لیتے
ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے قاتل کو تلاش کر لیا۔" محمود
نے کہا۔

"خیر، ہم ادھر ادھر اور تلاش کر لیتے ہیں۔"

تلاش کا دائرہ بڑھتا چلا گیا — ایک جگہ ایک کانسٹیبل نے رکتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"سر، ذرا ادھر آئیے گا۔"

فوق قدوسی نے اس طرف دیکھا اور پھر کانسٹیبل کی طرف چل پڑا — محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ادھر دیکھا اور فوق قدوسی کے تعاقب میں چل پڑے — آخر وہ کانسٹیبل تک پہنچ گئے —

"یہاں خون کے کچھ دھبے ہیں، لیکن ....." کانسٹیبل نے لیکن سے آگے کچھ نہ کہا — شاید وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کہے — انہوں نے دیکھا، یہ جگہ چند چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے درمیان گھری ہوئی تھی — اور کچھ اس قسم کی تھی کہ اس میں کھڑے ہوئے دو چار آدمی ادھر ادھر کھڑے لوگوں کو صاف نظر نہیں آ سکتے تھے — کانسٹیبل نے بھی ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر انہیں آواز دی تھی —

انہوں نے ان پتھروں پر نظر ڈالی، جن کی طرف کانسٹیبل نے اشارہ کیا تھا — یہاں واقعی پتھروں پر خون لگا ہوا تھا، بلکہ نشیب میں بھی تھوڑا بہت خون موجود تھا، لیکن اس خون کی رنگت سیاہ پڑ چکی تھی — اور وہ جم کر خشک ہو چکا تھا، جب کہ جائے واردات پر پائے جانے والے خون کے دھبے بالکل تازہ تھے — خون ابھی بالکل

خشک نہیں ہوا تھا اور یہ ایک عجیب بات تھی — فوق قدوسی تو چکرا کر رہ گیا — اس نے حیرت بھرے انداز میں محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف دیکھا — اسی وقت دور سے آتے ہوئے ایک لمبے شخص پر ان کی نظر پڑی — وہ انہی کی طرف آ رہا تھا —

خون کے دھبے

"فوق صاحب، اس خون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"
محمود نے آنے والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن ابھی تک اس
کا چہرہ صاف نظر نہیں آسکا تھا۔

"اس خون نے تو مجھے چکرا دیا ہے۔ آس پاس خون کے جو
دھبے ملے ہیں، وہ بالکل تازہ ہیں۔ کیونکہ واقعہ تھوڑی دیر پہلے کا
ہے۔ پھر اس جگہ خون جم کر خشک کیوں ہو گیا؟" فوق قدوسی
بڑبڑایا۔

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ خون پہلے کا ہے، شاید
کل کا یا پرسوں کا۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں، تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ تمہارے خیال کی روشنی میں
یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک دو دن پہلے اس جگہ ضرور کوئی واردات
ہوئی تھی، کوئی شخص زخمی ہوا تھا یا کسی کو زخمی کیا گیا تھا۔" فاروق
نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"سوال یہ ہے کہ وہ کون تھا۔ اسے کس نے زخمی کیا تھا۔ اس
واردات کا علم فوق صاحب کو کیوں نہیں ہو سکا۔" محمود بولا۔

"کسی نے کوئی رپورٹ درج کرائی ہوتی تو میرے علم میں
بات آتی نا۔" فوق نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

اب ان کی طرف آنے والے کے چہرے کے نقوش دکھائی
دینے لگے تھے۔ وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فرزانہ کے
منہ سے نکل گیا:

"ارے، یہ تو ٹانڈے خان دکھائی دیتا ہے۔"

"ہاں، ضرور یہ وہی ہے۔"

اور نزدیک آنے پر انہوں نے دیکھا، وہ ٹانڈے خان ہی
تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار تھے۔ نزدیک آنے
پر اس کی حیرت بھری آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"یہ کیا ہوا جناب؟"

"آپ کہاں رہ گئے تھے مسٹر ٹانڈے خان۔ آپ کی عدم
موجودگی میں انکل خان رحمان پر حملہ کیا گیا۔ پہاڑیوں پر ایک
لاش پائی گئی۔ اور بھی بہت کچھ ہو گیا۔"

"مجھے ابھی ابھی کسی نے بتایا تھا کہ شومان خان کے دفتر
میں پولیس ہی پولیس نظر آرہی ہے۔ میں اس وقت اپنے گھر میں
تھا۔ دراصل میری بیوی سخت بیمار ہے۔ اس کی خبرگیری کے لیے مجھے

رُکنا پڑ گیا تھا۔ لیکن جب پولیس کی آمد کے بارے میں معلوم ہوا تو میں گھر سے چل پڑا۔ عمارت کی طرف جا رہا تھا کہ یہاں بھی پولیس نظر آئی: چنانچہ میں پہلے ادھر آ گیا۔" اُس نے بتایا۔

"ہوں، خیر کوئی بات نہیں ۔ تمہیں ہمارے ساتھ عمارت تک چلنا پڑے گا تاکہ اس لاش کی شناخت ہو سکے۔" فوق قدوسی نے کہا۔

"آخر ہوا کیا ہے۔ کیا آپ تفصیل سے نہیں بتائیں گے۔"

محمود نے اُسے تفصیل کہہ سُنائی۔ خون کے جمے ہوئے دھبوں کے بارے میں سوچتے ہوئے آخر وہ واپس چل پڑے۔

"عجیب اُلجھا ہوا کیس ہے۔ ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔" فوق قدوسی الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"لوگ تو آپ پر ہی شک کر رہے ہیں جناب۔" ٹانڈے خان بول اُٹھا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں۔ ظاہر ہے، میں لوگوں کی زبانیں نہیں پکڑ سکتا۔" فوق قدوسی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"آپ کے علاوہ تو شومان خان سے کسی کی دشمنی نہیں تھی؟

محمود نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔"

"شومان خان کا مزدوروں سے سلوک کیسا تھا مسٹر ٹانڈے خان،

وہ انہیں مزدوری کے سلسلے میں پریشان تو نہیں کرتا تھا۔"

"نہیں مزدور اس سے بہت خوش تھے۔ خان رحمان صاحب نے بھی اس سے یہی کہہ رکھا تھا کہ مزدوروں کو پوری پوری مزدوری دی جائے۔ ان کا حق بالکل نہ رکھا جائے اور یہ بھی کہ ان کی مزدوری فوراً ادا کی جائے۔ یعنی ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے۔"

"ہوں، یہ بات انکل خان رحمان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں کہی ہوگی۔ آپؐ نے یہی فرمایا ہے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔" فرزانہ بولی۔

"ان حالات میں آخر کس نے شومان خان کو قتل کر دیا ہے۔" فوق قدوسی بول پڑا۔

"لوگ بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ آپ کے سوا کون ہو سکتا ہے، جو شومان خان کو قتل کرتا۔ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" ٹانڈے خان بولا۔

"کیا تم مجھے زبردستی قاتل ثابت کرنا چاہتے ہو؟" فوق قدوسی بھنا گیا۔

"جی نہیں، آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ لوگ کیا خیالات رکھتے ہیں۔"

"مجھے لوگوں کی پروا نہیں، میرا دامن صاف ہے۔"

وہ عمارت کے سامنے پہنچ گئے ۔ کانسٹیبل عمارت کے اردگرد
چوکس کھڑے تھے ۔ فوق کو دیکھ کر اور بھی تن گئے ۔
"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی، کسی نے عمارت میں داخل ہونے
کی کوشش تو نہیں کی ۔"
"جی نہیں ۔" دروازے پر کھڑے کانسٹیبل نے کہا ۔
وہ اندر داخل ہوئے ۔ لاش کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا
گیا ۔ اسی وقت محمود کو عبدصبور کا خیال آیا ۔ وہ ٹانڈے خان
کی طرف مڑا ۔
"مسٹر ٹانڈے خان، اس سے پہلے کہ آپ اس لاش کو شناخت
کریں، پہلے ذرا عبدصبور کے بارے میں بتادیں ۔ وہ کون ہے، اس
کا کیا کاروبار ہے اور یہ کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے ۔"
"کیوں، کیا وہ یہاں آیا تھا؟" ٹانڈے خان نے چونک کر کہا ۔
"ہاں، آیا تھا اور ہمارے انکل کی کانیں خریدنے کی پیش
کش کر رہا تھا ۔"
"بس پھر اس کا یہی کام ہے، جن کانوں پر مزدور کسی وجہ
سے کام بند کر دیتے ہیں، عبدصبور انہیں خرید لیتا ہے، کیونکہ اصل
مالک تو پریشان ہو جاتا ہے، وہ اونے پونے کانیں فروخت کر دیتا
ہے اور عبدصبور ان پر اپنے ذاتی ملازموں سے کام شروع کرا دیتا
ہے ۔"

"اس کا کام بھی عجیب ہے ۔" محمود بڑبڑایا ۔
"خیر، تو ٹانڈے خان، اب ذرا اس لاش پر ایک نظر ڈال
لیں، تاکہ معلوم ہو سکے یہ کون ہے، پھر اس کے پوسٹ مارٹم کے
بعد ہم اسے اس کے رشتے داروں کے حوالے کر دیں گے ۔"
"جی بہت بہتر ۔" ٹانڈے خان نے کہا ۔ اور پھر لاش
کی طرف بڑھا ۔ اس نے ایک چٹکی سے کپڑا پکڑا اور چہرے پر سے
ہٹا دیا ۔ دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھا ۔ اس کے منہ سے نکلا:
"اوہو، یہ تو رشیکا ہے ۔ ہمارا ساتھی ۔ ایک مزدور جو ان
دنوں انہی کانوں میں سے ایک پر کام کر رہا تھا ۔"
"اوہ ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ۔

⊙

"بہت خوب، یہ تم نے مجھے خوشخبری سنائی ہے ۔" فوق قدوسی
نے خوش ہو کر کہا ۔
"جی کیا مطلب؟ خوش خبری کس طرح؟" ٹانڈے خان نے
حیران ہو کر کہا ۔
"یہ کون سی کان پر کام کرتا تھا ان دنوں؟" فوق قدوسی نے
اس کی بات کا جواب دیے بغیر کہا ۔

"ان دو میں سے ایک پر، جن میں سے آج تک کچھ نہیں نکلا۔"

"تب پھر ہمیں اس کان کا جائزہ لینا ہوگا، یہ ضرور کان کا ہی کوئی چکر ہے۔ کیونکہ اگر میری شومان خان سے دشمنی تھی تو بھلا اس مزدور کو ہلاک کرنے کی مجھے کیا ضرورت تھی، اب اگر میں کان کا چکر ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو پھر کوئی مجھ پر یہ الزام نہیں لگا سکے گا کہ یہ قتل میں نے کیا ہے۔ کیونکہ چکر ثابت ہونے کی صورت میں قاتل بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔"

"لیکن جناب، ان دونوں کانوں کا معائنہ رابرٹ کینیڈی پہلے ہی کر چکا ہے۔ اور بتا چکا ہے کہ ان دونوں میں سے فی الحال کوئی دھات نکلنے کا امکان نہیں ہے۔ ان حالات میں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ شومان خان کان کے چکر میں مارے گئے۔"

ٹانڈے خان نے اعتراض کیا۔

"خیر خیر، دیکھا جائے گا۔ میں اسی وقت ان دونوں کانوں کا معائنہ کرنا پسند کروں گا۔ اور مسٹر ٹانڈے خان، آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"بہتر جناب۔ میں ضرور چلوں گا۔"

"اور ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے، لیکن اس سے پہلے ہمیں رشیکا کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجنا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے عملے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد خان رحمان کی حفاظت کے لیے تین کانسٹیبلوں کو عمارت میں چھوڑ کر وہ کانوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ کانیں اس جگہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھیں اور یہ ایک میل انہیں پیدل طے کرنا تھا، کیونکہ ان راستوں پر صرف گھوڑے کام آ سکتے تھے اور یہاں گھوڑے نہیں تھے۔

"محمود، میں اس آلے کے بارے میں غور کر رہی ہوں اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس کے بارے میں ہمیں کانوں کے ماہر رابرٹ کینیڈی سے ملاقات کرنا ہوگی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ آلہ اس کا ہو۔"

"اگر وہ آلہ اس کا ہے تو اس صورت میں فوق قدوسی اُسے گرفتار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔" محمود بولا۔

"اور میں حیران ہوں، فوق صاحب نے اب تک رابرٹ کینیڈی پر توجہ کیوں نہیں دی۔"

"میں پوچھ گچھ کے لیے اس کے گھر گیا تھا، لیکن وہ ملا ہی نہیں۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ دو دن کے لیے کہیں گیا ہوا ہے اور یہ بتا کر بھی نہیں گیا کہ کہاں جا رہا ہے۔ اس کی بیوی اس آلے کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکی، لہذا ہمیں اس کی واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ شاید وہ آج شام تک واپس آ جائے یا پھر کل۔"

فوق قدوسی نے بتایا۔

"لیکن جناب، آلے کے ساتھ جائے واردات پر نظر کی ایک عینک اور خالی بوتلوں کا بیگ بھی تو ملا ہے اور بوتلوں میں معمولی سی مقدار میں خون بھی، پھر وہ خنجر مقتول کی کمر میں گڑا ہوا، اس پر خود اس کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ ان سب چیزوں سے آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"مصیبت تو یہی ہے کہ ابھی تک رابرٹ کینیڈی سے ملاقات نہیں ہوئی اور اس کے علاوہ کسی نے آلے، عینک اور بوتلوں کو اپنا نہیں بتایا۔ اگر آلہ اور عینک اس کی ہیں، تب پھر وہی قاتل گردانا جائے گا، اب دیکھنا یہ ہے کہ سامنے آنے پر وہ کیا کہتا ہے۔ اس آلے اور عینک کو اپنا تسلیم کرتا ہے یا نہیں، رہا بوتلوں کا معاملہ، تو ظاہر ہے، اگر جرم اس نے کیا ہے تو بوتلوں کو اپنا نہیں کہے گا۔" فوق قدوسی کہتا چلا گیا۔

"سوال یہ ہے کہ ان بوتلوں کا جائے واردات پر کام کیا تھا۔ قاتل نے ان بوتلوں سے کیا کام لیا تھا اور وہ انہیں اس جگہ چھوڑ کیوں گیا؟" فرزانہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"دھت تیرے کی — اس کیس کی بھی کوئی کل سیدھی نظر نہیں آتی۔" محمود بولا۔

وہ کانوں تک پہنچ گئے تھے۔ ٹانڈے خان سب سے آگے

تھا۔ تینوں کانیں ایک دوسری سے ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھیں۔ انہوں نے تانبے والی کان کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ دوسری کان میں داخل ہوتے اور اندر اس مقام تک چلے گئے جہاں تک کھدائی کا کام پہنچ چکا تھا۔ ٹانڈے خان اور فوق قدوسی اپنی ٹارچیں ساتھ لائے تھے۔ یوں بھی اندر بیلوں والی قندیلوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ ان قندیلوں کو روشن کر دیا گیا۔ انہوں نے دیکھا، کان اندر سے بالکل سیاہ تھی، جیسے یہ کسی دھات کی نہیں، کوئلے کی کان ہو۔ جگہ جگہ سیاہی مائل سا برادہ اور چھوٹے چھوٹے پتھر پڑے تھے۔ معلوم ہوا کہ مزدور برموں کے ذریعے سوراخ کر کے ان سوراخوں میں بارود بھر دیتے تھے اور پھر بارود کے فیتے کان سے باہر لے آتے تھے۔ اس طرح کانوں کو بارود کے ذریعے توڑا پھوڑا جاتا تھا۔ پھر مزدور ملبے کو باہر نکالتے تھے۔ اس کے بعد یہ دیکھا جاتا تھا کہ ملبے میں کسی دھات کے آثار ہیں یا نہیں۔ ان دونوں کانوں میں ابھی تک ایسے آثار نہیں ملے تھے۔ پندرہ دن میں ایک بار رابرٹ کینیڈی کو بلا کر معائنہ کرایا جاتا۔ وہ دیکھ کر بتاتا کہ کچھ ملنے کا امکان پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ اپنے آنے جانے اور معائنے کی وہ باقاعدہ فیس وصول کرتا۔ اس وادی میں اس کا یہی کام تھا۔

برادے اور پتھروں کا جائزہ لینے کے بعد وہ باہر نکل آئے۔ اسی

طرح دوسری کان کو بھی دیکھا گیا — محمود، فاروق اور فرزانہ نے اس
دوران چند چھوٹے پتھر اور تھوڑی سی مقدار میں برادہ اپنے
ساتھ لائے ہوئے پلاسٹک کے تھیلوں میں بھر لیا تھا۔ یہ تھیلے انہیں
عمارت کے ایک کونے میں پڑے مل گئے تھے —

تھکے ماندے جب وہ عمارت میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ
کر کھل اٹھے کہ خان رحمان ہوش میں تھے اور کھلے پڑ رہے تھے۔
ان کی اس حد تک خوشی کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس انسپکٹر جمشید
بیٹھے تھے — اور دونوں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے —
قدموں کی آہٹ سن کر انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا — ادھر
فوق قدوسی اندر خان رحمان کے پاس انہیں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔
اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے — پھر وہ کانسٹیبلوں کی طرف جھلا کر
مڑا:

"تمہیں میری ہدایت تھی کہ کسی بھی شخص کو اندر نہ داخل ہونے
دیا جائے۔"

"جی یہ ٹھیک ہے، لیکن انہوں نے اپنا کارڈ دکھایا تھا۔
مہربانی فرما کر آپ بھی ان کا کارڈ دیکھ لیں۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔

"ان کے کارڈ میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ کانسٹیبلوں نے
آپ کو روکا نہیں۔"

"ابا جان۔" محمود، فاروق اور فرزانہ تینوں ایک ساتھ بولے اور

تیزی سے ان کی طرف بڑھے — فوق قدوسی اور بھی حیران ہوا:

"تو یہ آپ کے ابا جان ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"لیکن آپ کے کارڈ میں کیا بات ہے کہ کانسٹیبلوں نے
آپ کو روکا نہیں۔"

"آپ بھی دیکھ لیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے اور پھر
انہوں نے اپنے نام کا کارڈ جیب سے نکال کر اس کے سامنے
کر دیا —

فوق قدوسی کی آنکھیں حیرت سے پھیلنا شروع ہوئیں اور پھیلتی
چلی گئیں —

یہ کیا ہے؟

"اف خدا، تو یہ آپ کے بچے ہیں — ان کے سوالات کرنے کے انداز پر میں رہ رہ کر حیران ہو رہا تھا۔" کئی سیکنڈ کی خاموشی کے بعد فوق قدوسی نے کہا۔

"لیکن ابا جان، آپ یہاں کس طرح پہنچ گئے۔" محمود بولا۔

"میں یہ سوچ کر چلا آیا کہ کہیں تم لوگ کسی پریشانی میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔"

"پریشانی تو خیر ہم یہاں محسوس کر رہے تھے۔ یہاں تو دن دہاڑے حملے پر حملہ کیا جا چکا ہے۔"

"ہاں، میں خان رحمان سے سُن چکا ہوں — باقی تفصیل تم سُنا دو۔"

انہیں الف سے لے کر ی تک ساری روداد سُنا دی گئی۔

انسپکٹر جمشید کچھ دیر تک گہری سوچ میں گم رہے، پھر ٹانڈے خان کی طرف مُڑے:

"تو وہ مزدور رشیکا ان دو میں سے ایک کان پر کام کرتا تھا؟"

"جی ہاں۔" ٹانڈے خان نے جلدی سے کہا۔

"رشیکا کے بارے میں کوئی اور بات — ذرا ذہن پر زور دو۔"

"کوئی اور بات کیا — میرا مطلب ہے — آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"ان دنوں وہ کس کے ساتھ نظر آتا تھا، زیادہ تر کس کے ساتھ بیٹھتا تھا؟"

"میں نے دھیان نہیں دیا، نہ اسے خاص طور پر کسی کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے دیکھا۔"

"کیا شومان خان کے ساتھ بھی نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا، پھر سرسری سے انداز میں بولا:

"ایک بات ضرور مجھے یاد آ رہی ہے۔"

"اور وہ کیا؟" انسپکٹر جمشید آگے کو جھکتے ہوئے بولے۔

"پچھلی مرتبہ جب شومان خان نے رابرٹ کینیڈی کو کانوں کے معائنے کے لیے بلایا تھا تو انہوں نے رابرٹ کینیڈی کے ساتھ رشیکا کو کیا تھا — رابرٹ کینیڈی معائنے کے لیے جاتے وقت ایک آدھ آدمی کو رہنمائی کے لیے ساتھ لے جایا کرتا ہے۔"

"اوہو، اچھا۔" انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں چمک لہرائی، پھر

انھوں نے کہا۔

"رابرٹ کینیڈی سے ملے بغیر کام نہیں چلے گا۔ فوق قدوسی صاحب مہربانی فرما کر اس کے گھر آدمی بھیج کر پتا کرائیں۔ اس کی واپسی ہوئی ہے یا نہیں۔ اور وہ چاروں چیزیں بھی یہاں منگوالیں جو مقتول شوہان خان کے پاس ملی تھیں۔ اگر وہ آلہ رابرٹ کینیڈی کا ہے، تو پھر اس کا بیان لینا بہت ضروری ہے اور خون کے ان دھبوں کو بھی بغور دیکھنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے، آپ خود رابرٹ کینیڈی کے گھر جائیں اور میں خون کے دھبوں کا جائزہ لینے جاتا ہوں۔ آخر ایک یا دو دن پہلے وہاں کس کا خون گرا تھا۔"

"بہت بہتر، میں ابھی روانہ ہوتا ہوں۔ واپس یہیں آؤں یا خون کے دھبوں کے آس پاس۔"

"نہیں، آپ یہیں آجایئے گا۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور تین کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ بقیہ کانسٹیبلوں کو خان رحمان کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت سورج کے غروب ہونے سے پہلے وہ اس جگہ کو دیکھ لینا چاہتے تھے۔

"کیا تم اب تک کوئی اندازہ لگا سکے ہو؟"

"جی نہیں، بس کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ کہیں یہ سب کچھ فوق قدوسی نے نہ کیا ہو۔" محمود نے کہا۔

"تب پھر مزدور رشیکا کو کیوں ہلاک کیا گیا؟" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ چکر کانوں کا ہے جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ دونوں کانوں میں کچھ بھی نکلنے کی امید نہیں ہے۔"

"ابھی تک ہماری ملاقات رابرٹ کینیڈی سے نہیں ہوئی۔ رشیکا کی صورت دکھا کر ہمیں اس سے بھی یہ معلوم کرنا ہے، آیا معائنے کے وقت وہ اس کے ساتھ تھا یا نہیں۔"

"ہم ایک شخص کو تو بھول ہی رہے ہیں۔" فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"تو بتاؤ نا، بات درمیان میں کیوں چھوڑ دی؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"عبدصبور کو، اس کا پیشہ کتنا عجیب ہے۔ وہ ایسی کانیں خریدتا ہے جن پر مزدور کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ آخر اس طرح وہ کیا کماتا ہوگا۔"

"یہ اس کا کام ہے، اونے پونے کانیں خریدنے کے بعد اگر کسی کان میں کوئی دھات نکل آتی ہوگی تو اسے کئی گنا منافع بھی تو ہوتا ہوگا۔"

"ہوں، ابا جان، ہم پہنچ گئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہم نے خون

کے خشک دھبے دیکھے تھے۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے ارد گرد کی جگہ کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ خون کے دھبے جوں کے توں موجود تھے۔ ان دھبوں کو نظر میں رکھتے ہوئے وہ ایک سمت میں بڑھنے لگے۔ پھر دھبوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اچانک ان کی آنکھوں میں حیرت کی چمک لہرائی۔

"فرزانہ، ذرا ادھر دیکھنا۔ کپڑے کی ایک دھجی سی نظر آتی ہے نا۔"

فرزانہ کے ساتھ محمود اور فاروق نے بھی دیکھا۔ واقعی وہ کپڑے کا کوئی ٹکڑا تھا۔ جو ایک چٹان کے پیچھے ہوا سے ہل رہا تھا۔

"جی ہاں، آپ کا خیال ٹھیک ہے، لیکن اس میں عجیب بات کیا ہے!" محمود نے کہا۔

"آؤ دیکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور تیزی سے اس طرف بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ اس چٹان تک پہنچ گئے، جس کے پیچھے کپڑا نظر آیا تھا۔ چکر کاٹ کر جب وہ دوسری طرف گئے تو ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔

پتھروں کے نیچے ایک لاش دبا دی گئی تھی لیکن اس کا ایک بازو باہر نکلا رہ گیا تھا اور اس بازو کی آستین کو انہوں نے ہوا میں لہراتے دیکھا تھا۔ لاش کا انہیں صرف دھڑ تھوڑا سا دکھائی دے رہا

تھا۔ باقی جسم پتھروں میں چھپا ہوا تھا۔

"چلو، ان پتھروں کو ہٹاؤ۔ اس پرے۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ کون بدنصیب ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

لاش بدبو چھوڑ چکی تھی۔ اگر آج وہ اسے دریافت نہ کر لیتے تو کل لاش کی بدبو ضرور کسی نہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک ایک ہاتھ اپنے ناکوں پر رکھ کر پتھر ہٹانے شروع کر دیے۔ آخر تمام پتھر ہٹ گئے۔ لاش اوندھے منہ پڑی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے اسے شانے سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ انہوں نے دیکھا، یہ کوئی انگریز تھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، یہ رابرٹ کینیڈی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ، ضرور یہ وہی ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید جھکے اور انہوں نے پتھروں کے درمیان سے کوئی چیز اٹھا لی۔ اسے غور سے دیکھا اور پھر وہیں رکھ دیا۔

چند لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"تم عمارت میں جاؤ اور کانسٹیبلوں کو یہاں بھیج دو۔ خود خان رحمان کی حفاظت کے لیے وہیں ٹھہرنا۔ وہ جو کوئی بھی ہے، اس وقت تک تین آدمیوں کو ہلاک کر چکا ہے اور چوتھا آدمی خود اس کا ہلاک ہو چکا ہے۔ یہ خونی کھیل بلاوجہ نہیں کھیلا جا رہا۔ میں چاہتا ہوں، اب وہ کسی اور آدمی کو ہلاک نہ کر سکے۔"

"تو کیا آپ یہاں تنہا ٹھہریں گے؟" فرزانہ نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"تم فکر نہ کرو، میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔"

آخر محمود، فاروق اور فرزانہ وہاں سے رخصت ہوئے اور عمارت میں آئے۔ انہوں نے کانسٹیبلوں کو تو ادھر روانہ کیا اور خود عمارت کے دروازے اندر سے بند کر کے خان رحمان کے ارد گرد جم گئے۔ وہ اب ہوش میں تھے۔

"کیوں بھئی، کیا رہا اس سلسلے میں؟"

"بہت جلد راز کھلنے والا ہے، پھر مجرم بھی بے نقاب ہو جائے گا۔"

"تو کیا چکر تمہاری سمجھ میں آ گیا ہے؟" خان رحمان نے بے چین ہو کر کہا۔

"جی ابھی نہیں، لیکن اب تو اس معاملے میں ابا جان بھی شریک ہو چکے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔"

انہوں نے رابرٹ کینیڈی کی لاش کے ملنے کا ذکر ان سے نہیں کیا، تاکہ وہ اور زیادہ فکر مند نہ ہو جائیں۔ کمرے میں کچھ دیر کے لیے گہری خاموشی طاری رہی۔ پھر خان رحمان بولے:

"اگر یہ قتل و غارت ان کانوں کی وجہ سے ہو رہی ہے تو میں فوری طور پر ان کانوں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا انکل۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی خاندانی دشمنی کا چکر ہو اور ان وارداتوں کے پیچھے آخر کار فوق قدوسی کا نام ثابت ہو۔"

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازے پر دستک ہوئی اور فوق قدوسی کی آواز سنائی دی۔ محمود نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"ارے، آپ لوگ گئے نہیں؟"

"ہم وہاں ہو آئے ہیں۔ ابا جان ابھی تک وہیں ہیں اور کانسٹیبلوں کو بھی ادھر ہی بھیج دیا گیا ہے، کیونکہ وہاں پتھروں کے نیچے ایک لاش دبی ملی ہے۔"

"کیا؟" فوق قدوسی چلا اٹھا۔

"اور جہاں تک ہمارا خیال ہے، وہ لاش رابرٹ کینیڈی کی ہے۔"

"نہیں۔"

اس کا یہ 'نہیں'، 'کیا' سے بھی زیادہ بلند تھا۔ اس کے ساتھ

ہی وہ مُڑا اور باہر نکل گیا۔ انہوں نے دیکھا، وہ بھی اسی سمت میں جا رہا تھا۔

"یار عجیب بات ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"ہوگی، جب تک یہ نہیں بتاؤ گے کہ کیا بات عجیب ہے، کیا معلوم ہو سکتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ بات کہ رابرٹ کینیڈی کی بیوی نے فوق قدوسی کو یہ بتایا تھا کہ اس کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا ہے۔" محمود نے کہا۔

"تو اس میں عجیب بات کیا ہے۔ ہو سکتا ہے، وہ اپنی بیوی سے یہی کہہ کر گھر سے نکلا ہو، لیکن راستے میں اسے قاتل چھاپ بیٹھا ہو۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تو اس میں اتنا بُرا منہ بنانے کی کیا بات ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ اسے کہیں باہر جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ کہیں وہ کسی سے خوف زدہ ہو کر تو باہر نہیں جا رہا تھا۔" فاروق بولا۔

"اوہ۔" محمود اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ دونوں فاروق کو گھورتے رہ گئے۔ آخر فرزانہ بولی۔

"بات تو تم نے پتے کی کہی۔"

"میں بغیر پتے کے کبھی کوئی بات کہتا ہی نہیں، کیونکہ ہر بات کا پتا پہلے ہی نوٹ کر لیتا ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہانکنے لگے ادھر ادھر کی۔"

"اس وادی میں مجھے سرے سے ادھر ادھر نظر ہی نہیں آتا۔"

"چھوڑو بھئی، آؤ ہم غور کریں کہ یہ چکر کیا ہے۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔ اب ہم یہ بات کس سے معلوم کریں گے کہ وہ آلہ، عینک اور بوتلیں کس کی تھیں۔ آلے کے بارے میں ہم رابرٹ کینیڈی سے پوچھنا چاہتے تھے، لیکن وہ تو اب اس دنیا میں ہی نہیں ہے۔"

"ہم یہ بات اس کی بیوی سے پوچھ سکتے ہیں۔" محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ویری گڈ۔ ٹھیک کہا تم نے۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر آؤ، اسی وقت چلتے ہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"لیکن انکل کی حفاظت کون کرے گا۔ ہم کانسٹیبلوں کو بھی پہاڑیوں میں بھیج چکے ہیں۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"تو پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر چلے چلیں گے۔" محمود بولا۔

"شاید تم دونوں کا دماغ چل گیا ہے۔" فاروق نے دونوں کو گھورا۔

"تم نے یہ نتیجہ کس طرح اخذ کیا۔" فرزانہ نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

"جلی کیوں جا رہی ہو۔ میں نے یہ بات بھی بغیر پتے کے نہیں کہی۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا۔

"جلتی ہے میری جُوتی۔ جلد بتاؤ، میرا اور محمود کا دماغ کس لحاظ سے چل گیا ہے۔"

"وہ آلہ، عینک اور بوتلیں یہاں کب ہیں کہ ہم انہیں لے کر رابرٹ کینیڈی کی بیوی کے پاس چلے جائیں گے۔"

"دھت تیرے کی۔ یہ بات تو ہمارے ذہنوں سے نکل ہی گئی۔" محمود نے ران پر ہاتھ مارا۔

"تو پھر میں نے ٹھیک کہا تھا نا، تم دونوں کا دماغ چل گیا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا بھائی، مانے لیتے ہیں۔ تمہارا دماغ ٹھہر گیا ہے۔" فرزانہ نے تنگ آئے ہوئے انداز میں کہا اور فاروق مسکرانے لگا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے انسپکٹر جمشید کے قدموں کی آواز فوراً پہچان لی۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا۔ ان کے ساتھ فوق قدوسی اور دوسرے کانسٹیبل بھی تھے۔ چار کانسٹیبل لاش اٹھائے ہوئے تھے۔

"یہ رابرٹ کینیڈی ہی ہے۔ فوق صاحب اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ابا جان، اب اس آلے کے بارے میں رابرٹ سے نہیں

پوچھا جا سکتا۔ لیکن ہم اس کی بیوی سے تو پوچھ گچھ کر ہی سکتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔ فوق صاحب آپ وہ چیزیں یہیں منگوا دیں، پھر ہم رابرٹ کی بیوی کے پاس چلیں گے۔ اس دوران آپ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دیں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ آلہ اور دوسری چیزیں لیے رابرٹ کے گھر کا رُخ کر رہے تھے۔ فوق قدوسی اور ٹانڈے خان ان کے ساتھ تھے۔ انہیں تقریباً ڈیڑھ میل چلنا پڑا۔ تب کہیں جا کر رابرٹ کے گھر کا دروازہ نظر آیا۔ اس علاقے میں بنائے گئے مکانات میں زیادہ تر لکڑی کا استعمال کیا گیا تھا۔ محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا اور ایک انگریز عورت کی صورت دکھائی دی۔ پولیس کو دیکھ کر اس کا رنگ اُڑ گیا۔

"خیر تو ہے فوق صاحب۔" اس نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ جملہ اس نے اردو میں کہا تھا۔

"ہم آپ سے چند باتیں معلوم کرنے آئے ہیں۔"

"اندر تشریف لے آئیے۔" اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

وہ انہیں ایک سجے سجائے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

"مسز رابرٹ، ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ اس آلے کو دیکھیے، کیا آپ اسے پہچانتی ہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے پلاسٹک

کے بیگ میں سے آلہ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

"کیوں نہیں، یہ آلہ میرے شوہر کا ہے۔ کانوں کا معائنہ وہ اسی آلے کی مدد سے کرتے ہیں۔ یہ آلہ انہیں بتاتا ہے کہ کان سے کوئی دھات نکلنے کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"بہت خوب، تو پھر اس عینک کو بھی دیکھیے۔"

"یہ عینک بھی میرے شوہر کی ہے۔ ان کی نظر ذرا کمزور ہے۔ لیکن یہ چیزیں آپ کو کہاں سے ملیں، رابرٹ کہاں ہے؟"

"ان بوتلوں کو بھی آپ پہچانتی ہیں اور اس بیگ کو بھی؟" انسپکٹر جمشید نے پلاسٹک کے بیگ میں سے وہ بوتلیں اور تھیلا نکالتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں، نہ یہ بیگ میرے شوہر کا ہے اور نہ بوتلیں، دوسرے لفظوں میں میں نے یہ ان کے پاس نہیں دیکھیں۔"

"ہوں، مسز رابرٹ، ہم نہایت افسوس کے ساتھ آپ کو یہ اطلاع دینے آئے ہیں کہ آپ کے شوہر ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ کسی نے انہیں قتل کر دیا ہے۔"

"نہیں۔" مسز رابرٹ کی چیخ بہت بلند تھی۔ فضا تھرا اٹھی۔ پھر اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں۔ کئی منٹ تک وہ اسے روتے دیکھتے رہے۔ پھر ہچکیاں لیتے ہوئے اس نے کہا:

"یہ کیسے ہوا؟"

اسے تفصیل بتائی گئی، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ فوق قدوسی نے مسز رابرٹ سے کہا:

"لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیجی جا چکی ہے۔ آپ کو مل جائے گی۔"

وہ ڈرائنگ روم سے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف چل پڑے فرزانہ سب سے آخر میں تھی۔ اچانک اس کی نظر تپائی پر رکھے ہوئے تانبے کے ایک بڑے سے برتن پر پڑی۔ اس برتن میں کوئی سیاہی مائل سی چیز تھی۔ فرزانہ غیر ارادی طور پر تپائی کے قریب چلی گئی اور جھک کر دیکھنے لگی کہ برتن میں کیا چیز ہے۔ اس دوران دوسرے ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ نکلتے۔ فرزانہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"ابا جان، ذرا ٹھہریے۔ یہ دیکھیے۔ یہ کیا ہے؟"

جوتی اور انگارے

سب لوگ عمارت کے اس کمرے میں موجود تھے، جس میں شومان خان کی لاش ملی تھی — ٹانڈے خان تو پہلے ہی ان کے ساتھ تھا، عبدصبور کو بھی بلا لیا گیا تھا — رابرٹ کینیڈی کی بیوی بھی موجود تھی — کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی۔ آخر انسپکٹر جمشید کی آواز خاموشی کو چیرنے لگی —

"میرے دوست خان رحمان نے یہ کانیں خریدی تھیں — پھر تین میں سے ایک میں سے تانبا نکل آیا اور انہیں معقول آمدنی ہونے لگی — باقی دو کانوں سے کچھ نہیں نکلا، لیکن ان کی کھدائی بدستور ہو رہی تھی — تقریباً ڈیڑھ ہفتہ پہلے خان رحمان نے اپنے مینیجر شومان خان کو لکھا کہ کانوں کے ماہر رابرٹ کینیڈی کو بلائے اور ان دونوں کانوں کا معائنہ کرائے — شاید وہ کھدائی بند کرانے کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے اور چاہتے ہوں گے کہ باقی مزدور بھی پہلی کان پر لگا دیے جائیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ تانبا حاصل کیا جا سکے۔

رابرٹ کینیڈی پیغام ملتے ہی شومان خان کے پاس پہنچ گیا — کیونکہ اس کا کام ہی یہی تھا — شومان خان نے ایک مزدور اس کے ساتھ کر دیا — اس کا نام رشیکا تھا — رشیکا اسے کانوں کے اندر اس مقام تک لے گیا — جہاں تک کھدائی کا کام پہنچ چکا تھا — رابرٹ کینیڈی نے برادے کی مناسب مقدار لی اور اس کا معائنہ شروع کیا۔ آلے کی مدد سے بھی دیکھا، پھر وہ واپس چلا گیا — اس کے چند دن بعد اس نے اپنی رپورٹ شومان خان کو پیش کر دی کہ دونوں کانوں سے کچھ بھی نکلنے کی امید نہیں — شومان خان نے خان رحمان کو لکھ دیا — ابھی خان رحمان کانوں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ ٹانڈے خان ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ شومان خان کو قتل کر دیا گیا ہے؛ چنانچہ خان رحمان یہاں پہنچ گئے — ان کے ساتھ میرے بچے بھی یہاں پہنچ گئے۔ ان کے یہاں آنے کے بعد خان رحمان پر بھی قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ ان پر حملہ کرنے سے پہلے عمارت سے کچھ فاصلے پر رشیکا کو موت کے گھاٹ اتارا گیا — اس کی چیخ کی آواز سن کر یہ تینوں عمارت سے نکل کر ادھر گئے — لیکن فرزانہ کو راستے میں سازش کی بو محسوس ہوئی اور یہ واپس آ گئی — اس نے دیکھا کہ خان رحمان ایک حملہ آور سے بھڑے ہوئے ہیں — اس نے ایک پتھر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس طرح میرے دوست کی جان بچ گئی - پھر حملہ آور بھاگ

نکلا — انھوں نے اس کا تعاقب کیا — کافی دُور تک دوڑے، پھر وہ گر پڑا —

اسی وقت ان پر خنجر پھینکے گئے۔ انھوں نے چٹانوں کی اوٹ لے لی — حملہ آوروں نے انھیں گھیر لیا — ادھر محمود اور فاروق رشیکا کی لاش تک پہنچ کر واپس لوٹ آئے۔ عمارت کے کمرے میں انھیں خان رحمان اور فرزانہ کی بجائے عبدالصبور صاحب تشریف فرما نظر آئے — انھوں نے بتایا کہ وہ ایسی کانیں خریدتے ہیں جن پر مزدور کام بند کر دیتے ہیں — ان کانوں پر اپنے ملازموں کے ذریعے کام کراتے ہیں — محمود اور فاروق، فرزانہ اور خان رحمان کی تلاش میں نکلے — اس دوران خان رحمان ایک خنجر سے زخمی ہو چکے تھے — آخر یہ لوگ عمارت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، پھر فوق صاحب بھی پہنچ گئے — فوق قدوسی یہ بتا چکے تھے کہ ان کی شومان خان سے خاندانی دشمنی تھی —

حملہ آور جاتے ہوئے اپنے ساتھی کی لاش لے جا چکے تھے۔ چونکہ اس کے خنجر لگا تھا۔ اس لیے فوق اور میرے بچے خون کے دھبوں کے ذریعے حملہ آوروں کی تلاش میں نکلے۔ انھیں پہاڑیوں پر خون کے دھبے ضرور ملے، لیکن قاتلوں کا کوئی سراغ نہ مل سکا؛ البتہ ایک جگہ ایک دو دن پہلے کے خون کے خشک دھبے ضرور ملے۔ انھوں نے تلاش کا دائرہ پھیلایا نہیں اور واپس آ گئے۔ جب یہ

واپس آئے تو میں یہاں پہنچ چکا تھا — میں نے ان خشک دھبوں کو خود دیکھنے کا پروگرام بنایا — اور اس طرح رابرٹ کینیڈی کی لاش تک پہنچے — وہ پتھروں میں دبی ہوئی تھی۔ اُسے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن شاید قاتل کو زیادہ وقت نہیں مل سکا تھا۔ وہ پوری طرح چھپ نہیں سکا — ہم نے اس کے قتل کی اطلاع اس کی بیوی کو دی — اسے بھی خنجر کمر میں گھونپ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ شومان خان کی لاش کے پاس ایک آلہ، ایک عینک اور دو خون آلود بوتلیں ایک تھیلے میں ملی تھیں — آلہ اور عینک مسز رابرٹ نے پہچان لیں — دونوں چیزیں اس کے شوہر کی تھیں — البتہ بوتلیں اور بیگ کو انھوں نے نہیں پہچانا — ہم ان کے ڈرائنگ روم سے نکلے تو فرزانہ کو ایک برتن میں کوئی سیاہی مائل چیز نظر آئی۔ اس نے ہمیں آواز دی — ہم نے وہ چیز اپنے قبضے میں کر لی — اب آپ سب یہاں جمع ہیں —

میں نے حالات کا جائزہ لیا تو سب سے پہلے شک کی زد میں فوق قدوسی نظر آئے — ان کی شومان خان سے خاندانی دشمنی چلی آ رہی تھی، لیکن شومان خان کو قتل کرنے کی وجہ تو سمجھ میں آتی تھی۔ اس کے بعد رشیکا کو ختم کرنے کے بارے میں بھی یہ سوچا جا سکتا تھا کہ شاید رشیکا نے فوق قدوسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔ اس لیے فوق صاحب نے اُسے بھی ختم کر دیا، لیکن اس کے بعد خان رحمان

پر حملہ کرنے کی فوق صاحب کو قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی ؛ لہذا میں
نے یہی نتیجہ نکالا کہ ان وارداتوں سے فوق صاحب کا کوئی تعلق نہیں"
یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے — سب لوگ سکتے
کے عالم میں بیٹھے تھے — یوں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو — آخر
انہوں نے پھر کہنا شروع کیا :

" فوق قدوسی کو بے گناہ خیال کرنے کے بعد، میں رابرٹ
کینیڈی کے بارے میں سوچنے لگا — میں نے سوچا، شاید اُسے ان
کانوں میں کچھ نظر آ گیا ہو اور اس نے اس خیال سے شومان خان
کو قتل کر دیا ہو کہ مزدور کانوں پر کام بند کر دیں گے لیکن یہاں
یہ سوال پیدا ہوا کہ اس طرح اسے کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا، کیونکہ
ایسی کانیں تو عبد صبور خریدتے ہیں ؛ لہذا میں نے رابرٹ کینیڈی کا
خیال بھی ذہن سے جھٹک دیا — اس کی لاش ملنے کے بعد تو اس
پر شک کرنے کا امکان ہی ختم ہو گیا — اب رہ گئے تھے، عبد صبور
اور ٹانڈے خان — یہ دونوں بھی کسی طرح قاتل نظر نہیں آ رہے
تھے — اور شاید میں قاتل کی تلاش میں ان خونی پہاڑیوں کے
درمیان بھٹکتا ہی رہ جاتا — اگر مجھے لاش کے پاس ایک چیز نہ مل
جاتی اور رابرٹ کینیڈی کے گھر میں ایک بڑے سے برتن میں وہ سیاہی
مائل چیز نہ مل جاتی — ان دونوں چیزوں نے مل کر مسئلہ حل کر دیا۔
اور قاتل کا چہرہ صاف نظر آنے لگا " یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید کی

نظریں فوق قدوسی پر جم کر رہ گئیں — فوق قدوسی گڑبڑا گیا —
" آپ — آپ اس طرح مجھے کیوں گھور رہے ہیں ؟"
" گھبرائیے نہیں، میں کہہ چکا ہوں، آپ قاتل نہیں ہو سکتے —
اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے جو فرزانہ کو اس برتن
میں نظر آئی تھی " یہ کہہ کر انہوں نے تھیلے میں سے وہ برتن نکالا
اور اس کا ڈھکنا اتار دیا — ان سب نے دیکھا، وہ کانوں کا برادہ
تھا - کھدائی کے بعد حاصل ہونے والا برادہ —

O

" آپ نے دیکھا یہ برادہ ہے — بظاہر یہ کوئی بات نہیں کہ
رابرٹ کینیڈی کے گھر میں برادہ پایا جاتا ہے — وہ کانوں کا ماہر
تھا - پوری وادی میں کانوں کے مالکان اُسے کانیں دکھانے کے
لیے بلاتے تھے — عجیب نہ ہوتے ہوئے بھی میں یہ برادہ اٹھا لایا
اور رابرٹ کینیڈی کے آلے کی مدد سے اس برادے کا معائنہ کیا،
پھر دونوں کانوں سے برادہ منگا کر آلے کی مدد سے اسے بھی
دیکھا — معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک کان کا برادہ بالکل اس
برادے کے مطابق تھا، جو رابرٹ کینیڈی کے گھر سے ملا تھا - یعنی وہ
خان رحمان کی ایک کان کا برادہ اپنے ساتھ گھر لے گئے تھے - رشیکا

سے انہوں نے کہا ہوگا کہ اطمینان سے معائنے کے لیے گھر لے جا
رہے ہیں — گھر لے جا کر انہوں نے آلے کے ذریعے اس کا مزید
معائنہ کیا تو انہیں اس برادے میں خاص بات محسوس ہوئی۔ انہوں
نے کسی کو فون کیا۔ فون کرنے کے بارے میں مجھے ان کی بیوی سے
معلوم ہوا ہے — خیر، جب انہوں نے فون کیا، وہ تھوڑی دیر بعد گھر
پہنچ گیا — انہوں نے ڈرائنگ روم میں کچھ بات چیت کی پھر ملاقاتی
چلا گیا — اس کے تھوڑی دیر بعد مسٹر رابرٹ یہ کہہ کر گھر سے چلے
گئے کہ وہ ایک دو دن کے لیے وادی سے باہر ایک کام
کے سلسلے میں جا رہے ہیں — مسز رابرٹ نے اس لیے پوچھ گچھ نہ
کی کہ وہ عام طور پر جاتے ہی رہتے تھے — مسٹر رابرٹ گھر سے نکل
کر پہاڑیوں میں سے گزر رہے تھے کہ کسی نے ان پر خنجر
پھینک مارا اور پھر ان کی لاش کو پتھروں میں دبا دیا — اس کے
بعد شوبان خان کو ایک خاص بات بتانے کے بہانے وہیں بلا لیا۔
اور اسے بھی ہلاک کر دیا گیا — اس کا خون دو بوتلوں میں بھر لیا گیا،
پھر اس کی لاش اٹھا کر کسی کپڑے وغیرہ میں پسیٹ کر اس کمرے
میں لا کر ڈال دی گئی اور بوتلوں کا خون الٹ دیا گیا تاکہ معلوم
ہو، قتل اس کمرے میں کیا گیا ہے — رابرٹ کینیڈی کا آلہ اور عینک
یہاں چھوڑ دی گئی تاکہ معلوم ہو، یہ کام رابرٹ کینیڈی کا ہے، پھر رابرٹ
کینیڈی لاپتا ہو جائے اور یہ سمجھا جائے کہ رابرٹ کینیڈی اسے قتل

کر کے کہیں فرار ہو گیا — لیکن خدا کی قدرت کہ اس کی لاش دریافت کر
لی گئی — اور اس طرح یہ معمہ حل ہوا — میرا خیال ہے، اب آپ
لوگ سب کچھ سمجھ گئے ہوں گے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش
ہو گئے —

"لیکن جناب، ابھی آپ نے یہ کہاں بتایا ہے کہ برادے کے
معائنے سے کیا بات ظاہر ہوئی — اور یہ بھی کہ قاتل کون ہے، وہ
شخص کون تھا جسے رابرٹ کینیڈی نے فون کیا تھا اور وہ اس سے
ملنے بھی آیا تھا، جسے مسز رابرٹ نے دیکھا بھی تھا — یہ سب باتیں آپ
نے کہاں بتائی ہیں ؟"

"ہاں، یہ باتیں میں نے ابھی تک نہیں بتائیں — خیر، سن لیجیے۔
رابرٹ کینیڈی نے عبدصبور صاحب کو فون کیا تھا۔ یہ اس سے ملنے
گئے تھے — مسز رابرٹ نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا — پھر
ڈرائنگ روم میں رابرٹ کینیڈی نے اسے برادے کے بارے میں
بتایا — یا پھر باقاعدہ سودا کیا — اس نے بتایا کہ اس برادے میں
سونے کے بے شمار ذرات ہیں اور یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ کان میں
سونا بہت بڑی مقدار میں موجود ہے — دوسرے لفظوں میں یہ تانبے
یا پیتل کی کان نہیں، خالص سونے کی کان ہے — عبدصبور یہ سن کر
دنگ رہ گئے — انہوں نے فوراً اس سے کہا کہ اس موضوع پر
یہاں بات کرنا ٹھیک نہیں۔ ہم باہر باتیں کریں گے، بلکہ تم ایک دو دن

کے لیے وادی سے باہر چلے جاؤ، تاکہ کوئی تم پر شک نہ کر سکے، تمہاری غیر حاضری میں میں سب کام ٹھیک کر لوں گا، پھر تم آ جانا تمہیں تمہارا حصہ برابر ملتا رہے گا اور یہی رابرٹ کینیڈی کی غلطی تھی کہ اس نے عبدصبور پر اعتماد کیا — وہ پہاڑیوں میں سودا کرنے کے لیے پہنچ گیا۔ عبدصبور نے اسے خنجر کے وار سے ہلاک کر دیا اور لاش پتھروں میں دبا دی — پھر شومان خان کا کانٹا بھی نکال دیا۔ اس کے بعد رشیکا کی باری آئی — پھر عبدصبور نے سوچا، خان رحمان کا بھی صفایا کر دیا جائے، تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، پھر کون ان کانوں کو خریدے گا۔ میرے ہی ہاتھ آئیں گی اور میں ان کانوں سے خالی برادہ ہی نکالتا رہوں گا — حکومت کے کسی آدمی کو تو کیا، آس پاس کے کسی بھی شخص کو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اس کان میں سے کیا نکل رہا ہے — تو جناب، یہ تھا کل چکر۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے —

تقریباً ایک منٹ تک کوئی شخص کچھ نہ بول سکا — پھر عبدصبور نے پرسکون آواز میں کہا —

"آپ نے کہانی تو بہت اچھی سنائی انسپکٹر صاحب — لیکن ثبوت کے طور پر کچھ بھی پیش نہیں کیا — جب کہ آپ جانتے ہیں، عدالت صرف ثبوت چاہتی ہے، زبانی باتیں نہیں۔"

"کیوں نہیں جناب، آپ کو بغیر ثبوت گرفتار نہیں کیا جائے گا۔

دیکھیے نا، حکومت کا ایک ماہر یہاں پہنچنے ہی والا ہے، وہ اس برادے کا مکمل طور پر تجزیہ کرے گا اور یہ بات ثابت کر دے گا کہ اس برادے میں واقعی سونے کے ذرات موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جواب میں کہا —

"تو کیا اس طرح میں قاتل ثابت ہو جاؤں گا۔" عبدصبور کے لہجے میں گہرا طنز شامل ہو گیا۔

"اگر کوئی کمی رہ جائے گی تو مسز رابرٹ کا بیان اس کمی کو پورا کر دے گا — یہ بیان دیں گی کہ ان کے شوہر نے آپ کو بلایا تھا اور یہ برادہ دکھایا تھا۔"

"یہ یہ بات کس طرح کہہ سکیں گی کہ رابرٹ نے مجھے برادہ دکھانے کے لیے بلایا تھا۔" عبدصبور نے کہا۔

"ان کا کہنا ہے کہ جب یہ چائے کی ٹرے ڈرائنگ روم میں لے گئیں تو آپ دونوں آلہ لیے برادے پر جھکے ہوئے تھے — کیوں مسز رابرٹ — یہ درست ہے نا؟"

"بالکل درست — خود عبدصبور بھی یہ بات مانے گا۔"

"بالکل جھوٹ، یہ میرے خلاف سازش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے سے میرا قطعاً کوئی تعلق نہیں — میں خان رحمان سے دونوں کانیں خریدنے ضرور آیا تھا، لیکن جب میں نے الّو کی آواز سنی تو اسے برا شگون جانا اور واپس آ گیا۔" اس نے کہا —

"کانوں کی خرید کے لیے یہاں تک آنا ایک دکھاوا تھا۔"

"خیر خیر، میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ میرے خلاف عدالت میں کیس ثابت کر دیں۔"

"میں معاملہ عدالت سے پہلے ہی ثابت کر دیتا ہوں مسٹر۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید فوق قدوسی کی طرف مڑے۔

"مسٹر فوق، ہمیں رابرٹ کینیڈی کی لاش کے پاس سے ایک ٹوٹا ہوا بٹن بھی تو ملا ہے۔ اب دیکھیے نا مسٹر عبدصبور اب تک وہی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ٹوٹے ہوئے بٹن کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ دراصل ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں کہ بٹن لاش کے پاس گرا ہو گا؛ ورنہ یہ قمیص ضرور بدل دیتے۔"

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی عبدصبور نے فوراً اپنی قمیص کی طرف دیکھا۔ اور پھر ان کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے سنا، انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے:

"اور ابھی تو ہم آپ کے ساتھی کی لاش بھی برآمد کریں گے۔ جب وہ لاش آپ کے ملازموں میں سے ایک کی ثابت ہو جائے گی، تو آپ کہاں ہوں گے۔ یہ آپ ابھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔"

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی عبدصبور نے اپنی کرسی سے چھلانگ لگا دی اور دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ انہیں اس سے اس قدر پھرتی کی امید نہیں تھی۔

"ارے بھئی پکڑو اسے۔" انسپکٹر جمشید پُرسکون انداز میں بولے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اُٹھے اور ابھی انہوں نے دوڑ لگانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید بول اُٹھے:

"ہائیں ہائیں، میں نے تم سے کب کہا ہے؟"

"جی، تو پھر کس سے کہا ہے۔" محمود نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"ارے بھئی، اس کا انتظام کرنے والے پہلے ہی باہر موجود ہیں۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے ران پر زور سے ہاتھ مارا۔

"اسے بھاگنے کا موقع جان بوجھ کر دیا گیا ہے۔ یہ اس کے خلاف ایک اور ثبوت ہو گیا۔"

"گویا کیس ختم ہو گیا۔" فاروق بولا۔

"تو اور تم کیا چاہتے ہو، کیس جاری رہے۔ قاتل کی شخصیت سات پردوں میں چھپی رہے اور ہم اس کی تلاش میں ان پہاڑیوں میں سر پٹکتے رہیں، خنجروں کے وار سہتے رہیں۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ارے تو اس میں انگارے چبانے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق بولا۔

"انگارے چبا رہے ہو گے تم خود۔ میری تو انگارے چباتی ہے جوتی۔" فرزانہ نے جھنا کر کہا۔

"تمہاری جوتی ہے یا کوئی تماشہ — کبھی جلتی ہے، کبھی انگارے چباتی ہے — لاحول ولا قوۃ — بلکہ دھت تیرے کی بھی — انکل خان رحمان بیٹھے بٹھائے سونے کی کان کے مالک بن گئے اور ہم ابھی تک آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔" محمود نے تیز لہجے میں کہا۔

"بھئی، بیٹھے بٹھائے کہاں — مجھے بھی دارالحکومت سے یہاں آنا پڑا ہے اور خنجر بھی کھانا پڑا ہے۔" خان رحمان نے معصومیت بھرے لہجے میں کہا اور وہ ہنسنے لگے —

انہوں نے دیکھا، سادہ لباس والے عبد صبور کو لیے اندر آ رہے تھے اور اس کی صورت پر اڑھائی بج رہے تھے —

○

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۰

گھریلو نقاب پوش

مصنف : اشتیاق احمد

○ گھر کے تمام دروازے بند تھے — بند گھر میں ایک نقاب پوش نمودار ہوا —
○ اس نے آتے ہی ایک فائر کیا —
○ نقاب پوش گھر کے افراد میں سے ہی ایک تھا —
○ لیکن وہ کون تھا اور کیا چاہتا تھا؟ یہ بات کسی طرح معلوم نہیں ہو رہی تھی —
○ محمود، فاروق اور فرزانہ میدانِ عمل میں —
○ آخر میں انسپکٹر جمشید راز سے پردہ اٹھاتے ہیں —
○ ۲۰ جولائی کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۱

گھڑی کا ہنگامہ

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ خان رحمان نے ایک دلچسپ پروگرام بنایا تھا —
- ○ لیکن ان کا یہ پروگرام خونی پروگرام ثابت ہوا —
- ○ ایک جھیل کی کہانی —
- ○ ہوٹل کے کمرہ نمبر ۴۱۹ کا راز کیا تھا؟
- ○ اس ہوٹل میں کیا ہو رہا تھا؟
- ○ مجرم نے ایک غلطی کی تھی — انسپکٹر جمشید اس تک ایک گھڑی کے ذریعے پہنچتے ہیں —
- ○ قدم قدم پر حیرت انگیز واقعات —
- ○ ۲۰ جولائی کو پڑھیے — قیمت: دس روپے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۲

لنگڑی سازش

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ دو مجرموں نے ایک سازش تیار کی تھی —
- ○ سازش بہت ہولناک تھی اور ان کا خیال تھا کہ ہر لحاظ سے مکمل بھی ہے —
- ○ لیکن ان سے ایک غلطی ہو گئی تھی، ان کی غلطی نے سازش کو لنگڑا بنا دیا —
- ○ محمود، فاروق اور فرزانہ قدم قدم پر نئے گل کھلاتے ہیں —
- ○ اور یہ قصہ شروع ہوا تھا ظہور کی شادی سے —
- ○ انسپکٹر جمشید نے مجرم کو کس طرح تلاش کیا؟
- ○ ۲۰ جولائی کو پڑھیے — قیمت: دس روپے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمُود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۲

خُونی دُھواں

مصنّف: اشتیاق احمد

- انھوں نے اس دفعہ پہاڑ کی سیر کا پروگرام بنایا تھا —
- لیکن بیگم جمشید اس سیر کی سخت مخالف تھیں۔ انھیں پہاڑ کی سیر سے ہول آتا تھا —
- جب کہ انسپکٹر جمشید کی شرط یہ تھی کہ سیر پر اس صُورت میں جائیں گے، جب بیگم بھی جانے پر تیار ہوں —
- محمود، فاروق اور فرزانہ نے انھیں کس طرح تیار کیا؟
- پہاڑ کی سیر ان کے لیے ایک نئی اور عجیب اُلجھن لے کر آئی —
- ۲۰ جولائی کو پڑھیے — قیمت: دس روپے —

اشتیاق احمد.... یہ نام اچانک میرے سامنے آیا اور میرے دل و دماغ پر کچھ اس طرح چھا گیا کہ چاروں طرف یہی نام گردش کرتا نظر آیا.... یا یوں کہہ لیں کہ ان کے ناولوں نے میرا گھیراؤ کر لیا.... اور لیبیا میں وقت انھی ناولوں کے سہارے گزرنے لگا.... اس وقت میں نے یہ بات خواب میں بھی نہیں سوچی تھی کہ ایک دن میں ذاتی طور پر اشتیاق احمد سے منسلک ہو جاؤں گا.... پاکستان آیا' ان سے ملا تو ان کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔

اشتیاق احمد بچوں کے لیے بیس سال سے لکھ رہے ہیں اور لکھتے لکھتے بڑے ہونے کی بجائے بچے ہوتے جا رہے ہیں.... مجھے ڈر ہے.... کہیں وہ اپنی آخری عمر میں چھوٹے سے بچے نہ رہ جائیں۔

اسی حوالے سے بچے انھیں پسند کرتے ہیں کہ وہ کوئی بڑے بوڑھوں کی طرح' ناولوں میں نصیحتیں نہیں کرتے نظر آتے.... ہلکے پھلکے انداز میں' مزاح کے رنگ میں' جاسوسی کے لبادے میں' مہمات کی رو میں اپنے کرداروں کے ساتھ ساتھ' قارئین کو بہالے جاتے ہیں۔

اور یہی ان کا مخصوص انداز ہے۔

طاہر الیس ملک

ترتیب پبلشرز :- 1- میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور